- مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، مگر مختلف اصناف کے ہوں۔
- ذوی الفروض نسبیہ صرف ایک صنف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔
- ذوی الفروض نسبیہ کی مختلف اصناف ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو۔

ردّ کے قواعد

ان چار صورتوں کے لیے الگ الگ چار قواعد مقرر ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

قاعدہ ۱

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ صرف ایک ہی صنف کے ہوں یعنی ایک ہی نام کے ہوں یا ان کے حصے ایک ہی طرح کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ کا رد ان کی تعداد کے مطابق ہو گا۔ مثال کے طور پر اگر تین بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ ان کی تعداد کے لحاظ سے ۳ ہو گا۔ اسی طرح اگر پانچ بہنیں ہوں تو اصل مسئلہ ۵ ہو گا۔ یا اگر ورثا دادی اور سوتیلی (ماں شریک) بہن ہوں تو اصل مسئلہ ۲ ہو گا۔ اس لیے کہ دونوں کے حصے ایک جیسے ہیں (یعنی ۱/۶، ۱/۶)۔

قاعدہ ۲

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکے کا رد ان کے مقررہ حصوں کے مطابق ہو گا۔ مثال:

اصل مسئلہ ۶۔ ردّ ۳		
۲ ماں شریک بھائی	اصل حصہ ۱/۳	موجودہ حصہ ۲ (۲/۳)
ماں	اصل حصہ ۱/۶	موجودہ حصہ ۱ (۱/۳)

اس مثال میں حصے ثلث ۱/۳ اور سدس ۱/۶ ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ (ان کے حصوں کا ذو اضعاف اقل) ۶ ہو گا، جس میں سے ۲ حصے ماں شریک بھائی کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کا۔ مجموعی تعداد ۳ ہوئی، اس لیے رد بھی ۳ کی طرف ہوا، اور تین ہی اب اصل مسئلہ قرار پایا۔ اس طرح وُرثا کے حصوں کے مطابق ان میں اضافہ ہوا۔ اب بھائیوں کو ۱/۳ کے بجائے ۲/۳ اور ماں کو ۱/۶ کے بجائے ۱/۳ ملے گا۔

اس قاعدے میں رد چونکہ حصوں کے تناسب سے ہوتا ہے، اس لیے درج ذیل فروض (حصوں) کے رد کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جب کسی مسئلے میں صرف سدس ۱/۶ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۲ ہو گا۔

۲۔ جب کسی مسئلے میں ثلث ۱/۳ اور سدس ۱/۶ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور ردّ ۳ ہو گا۔

۳۔ جب کسی مسئلے میں نصف ۱/۲ اور سدس ۱/۶ ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور ردّ ۴ ہو گا۔

۴۔ جب ثلثان ۲/۳ اور سدس ۱/۶ یا

۵۔ نصف ۱/۲ اور دو سدس ۱/۶ یا

۶۔ نصف ۱/۲ اور ثلث ۱/۳ جمع ہوں تو اصل مسئلہ ۶ اور رد ۵ ہو گا۔

قاعدہ ۳

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ کی صرف ایک صنف ہو، اور اس کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں رد (باقی ماندہ ترکے کی دوبارہ تقسیم) شوہر یا بیوی کے الگ مسئلے کے مطابق ہو گا۔ یعنی پہلے شوہر یا بیوی میں سے جو موجود ہو اس کے حصے کے لحاظ سے انفرادی طور پر اس کا مسئلہ بنا کر اس سے اس کو حصہ دے دیا جائے، پھر باقی ماندہ حصوں کو باقی اصحاب الفروض (نسبیہ) پر تقسیم کیا جائے۔ جیسے اگر

مسئلے میں شوہر اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہو تو اصل مسئلہ شوہر کے حصے ربع ۱/۴ کے مطابق چار سے ہو گا۔ چوتھا حصہ شوہر کو دے کر بقیہ تین حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

اس طرح اگر وُرثا بیوی اور دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اصل مسئلہ بیوی کے حصے ۱/۸ کے مطابق ۸ سے ہو گا۔ ایک حصہ بیوی کو دے کر بقیہ (۷) حصے بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوں گے۔

قاعدہ ۴

جب کسی مسئلے میں ذوی الفروض نسبیہ مَن یُردّ علیہ مختلف اصناف کے ہوں اور ان کے ساتھ میاں بیوی میں سے بھی کوئی موجود ہو تو اس صورت میں دو مسئلے الگ الگ طور پر حل کئے جائیں گے، ایک مسئلے میں صرف شوہر یا بیوی ہوں گے، اور دوسرے مسئلے میں ان کے علاوہ باقی ورثا ہوں گے۔ یہ قاعدہ چونکہ قاعدہ نمبر ۲ اور قاعدہ نمبر ۳ کا مجموعہ ہے، اس لیے پہلے قاعدہ نمبر ۲ کے مطابق رد کیا جائے، پھر قاعدہ نمبر ۳ کے مطابق باقی ماندہ ترکہ کو ذوی الفروض نسبیہ پر تقسیم کیا جائے۔

مثال ۱

ورثا: بیوی۔ دادی /نانی۔ ۲ ماں شریک بھائی

اصل مسئلہ ۶۔ رد ۳		
دادی	اصل حصہ ۱/۶	موجودہ حصہ ۱ (۱/۳)
۲ ماں شریک بہن بھائی	اصل حصہ ۱/۳	موجودہ حصہ ۲ (۲/۳)

دوسرا مسئلہ

اصل مسئلہ ۴		
بیوی	۱/۴	۱
دادی	۱/۶	۱
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲

پہلا مسئلہ ۶ سے ہے جسے ۳ میں رد کیا گیا ہے۔ دوسرے مسئلے کا اصل ۴ ہے جو بیوی کے حصے ربع ۱/۴ سے ماخوذ ہے۔ دونوں مسئلوں کا تقابل کرنے سے معلوم ہوا کہ پہلے مسئلے میں دادی اور بہنوں کا مجموعی حصہ ۳ ہے۔ دوسرے مسئلے میں بیوی کا اصل مسئلہ ۴ میں سے ایک حصہ دے دیا گیا جس کے بعد ۳ باقی رہ جاتے ہیں جو پہلے مسئلے کے مطابق دادی اور سوتیلی بہن بھائی کا حصہ ہیں۔ یہاں حصے پورے پورے بلا کسر ورثا پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب دوسرے مسئلے کے اصل (یعنی چار) ہی کو اصل مسئلہ قرار دے کر تمام ورثا کو اس میں سے حصے دیے گئے۔ بیوی کو صرف اس کا مقررہ حصہ ملا، جبکہ ذوی الفروض نسبیہ کو ان کے مقررہ حصوں کے علاوہ باقی ماندہ ترکے میں سے بھی حصہ دیا گیا۔

مثال ۲

وُرثا: بیوی۔ ۲ بیٹیاں۔ ماں

اصل مسئلہ ۶۔ ردّ ۵		
۲ بیٹیاں	اصل حصہ ۲/۳	موجودہ حصہ ۴ (۴/۵)
ماں	اصل حصہ ۱/۶	موجودہ حصہ ۱ (۱/۵)

دوسرا مسئلہ بعد از ردّ

۸ × ۵ = ۴۰		
بیوی ۱/۸	۱/۸	۵/۴۰
۲ بیٹیاں ۲/۳	۴ × ۷ = ۲۸	۲۸/۴۰
ماں ۱/۶	۱ × ۷ = ۷	۷/۴۰

اس مثال میں ثمن (۱/۸) ثلثان (۲/۳) اور سدس (۱/۶) کے جمع ہونے سے حسبِ قاعدہ اگر مسئلہ ۲۴ کیا جائے اور حصے تقسیم کیے جائیں تو ایک حصہ بچ جاتا ہے (دو بیٹیاں

۱۶، ماں ۴، بیوی ۳، کل ۲۳ حصے)۔ چنانچہ بچ رہنے والے حصے کو بیوی کو چھوڑ کر باقی ورثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کے لیے بیوی کے الگ مسئلے ۸ کو اصل مسئلہ بنا کر رڈ کیا گیا، اس میں سے ایک حصہ بیوی کو دے کر باقی ۷ حصے محفوظ کر لیے گئے۔ پھر باقی اصحاب الفروض کا الگ مسئلہ بنا کر دیکھا گیا تو وہ رڈ کے بعد ۵ ہے، جس میں سے چار حصے بیٹیوں کو اور ایک حصہ ماں کو دیا گیا۔

دوسرے مسئلے میں بیویوں سے باقی ماندہ ۷ حصے پہلے مسئلے کے مجموعۂ حصص ۵ پر بلا کسر تقسیم نہیں ہوتے۔ اس کسر کو دور کرنے کے لیے مجموعہ حصص ۵ کو بیوی کے الگ مسئلے (یعنی ۸) سے ضرب دی گئی تو حاصل ضرب چالیس ہے (۴۰ = ۸ × ۵)۔ اس کو وُرثا کی ہر صنف پر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ بیوی کے الگ مسئلے کے حصے (۱) کو باقی اصحاب الفروض کے الگ مسئلے ۵ سے ضرب دے کر پانچ حصے دیے گئے (۵/۴۰)، اور بیٹیوں کے چار حصوں کو بیوی کے مسئلے میں باقی ماندہ حصوں (۷) میں ضرب دے کر ۲۸ حصے کر دیے گئے (۲۸ = ۷ × ۴)، اسی طرح ماں کے ایک حصے کو بھی (۷) سے ضرب دے کر سات حصے دیے گئے (۷ = ۷ × ۱)۔

خلاصہ

رڈ (بقیہ ترکہ دوبارہ تقسیم کرنے) کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض (ماسوائے خاوند اور بیوی) کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کے عدد) سے کم ہوجاتا ہے، لہٰذا تمام وُرثا (ماسوائے خاوند اور بیوی) کا حصہ متناسب طور پر زیادہ کرنے کے لیے نسب نما شمار کنندہ کے برابر کر لیا جاتا ہے۔

مثال ۱:

ماں: ۱/۶ = ۱/۶

بیٹی: ۱/۲ = ۳/۶ = ۵/۶

پوتی: ۱/۶ = ۱/۶

نسب نما (۶) کو کم کر کے شمار کنندہ (۵) کے برابر کرنے سے ۵/۶ کی کسر ۵/۵ بن گئی۔ اب ان وارثوں کے حصے یوں ہوگئے:

ماں: ۱/۵ (۱/۶ کے بجائے)

بیٹی: ۳/۵ (۳/۶ کے بجائے)

پوتی: ۱/۵ (۱/۶ کے بجائے)

مثال ۲:

بیوی: ۱/۸

ماں: ۱/۶ = ۱/۶

بیٹی: ۱/۲ = ۳/۶   ۴/۶

نسب نما (۶) کو شمار کنندہ (۴) کے برابر کرنے سے ۴/۶ کی کسر ۴/۴ بن گئی۔ اب ماں بیٹی کے حصوں کا باہمی تناسب یہ ہوگا:

ماں: ۱/۴ (۱/۶ کے بجائے)

بیٹی: ۳/۴ (۳/۶ کے بجائے)

ماں کا حصہ کل میں سے ۷/۸ کا   ۱/۴ = ۷/۳۲

بیٹی کا حصہ کل میں سے ۷/۸ کا   ۳/۴ = ۲۱/۳۲

بیوی کا حصہ کل میں سے: ۱/۸ = ۴/۳۲

باب ۱۰

ذوی الارحام

DISTANT KINDRED

جب کسی میت کے رشتہ داروں میں ذوی الفروض نسبیہ اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو، تو ذوی الارحام وراثت پانے کے حق دار ہوتے ہیں۔ البتہ بیوی یا شوہر ایسے ذوی الفروض ہیں جن کی موجودگی ذوی الارحام کو محجوب نہیں کرتی۔ ان سے بچا ہوا کل ترکہ ذوی الارحام کا حق ہوتا ہے۔

معنیٰ و مفہوم

لغوی معنی کے لحاظ سے ذوی الارحام کا لفظ خون یا نسب میں شریک تمام رشتہ داروں کو شامل ہوتا ہے، مگر علم فرائض کی اصطلاح میں ایسے رشتہ دار مراد ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں اور خود عورت ہیں یا کسی عورت کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ جیسے بیٹی اور پوتی کی اولاد یا بہن کی اولاد، جد فاسد (نانا، پرنانا)، جدہ فاسدہ (جو میت سے جدِ فاسد کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں)، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام کے اصناف

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی درج ذیل چار اصناف ہیں اور اسی ترتیب سے وارث ہوتے ہیں:

صنف اول: جزء میت: میت کی وہ اولاد جو ذوی الفروض اور عصبات نہ ہو۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ بیٹیوں کی اولاد ۲۔ پوتیوں کی اولاد

صنف دوم: اصل میت: میت کے باپ اور ماں سے اوپر کے رشتے والے جو ذوی الفروض یا عصبات نہ ہوں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جدِ فاسد (نانا، پرنانا، باپ کے نانا، ماں کے دادا، نانا)

۲۔ جدہ فاسدہ: وہ عورت جو میت سے بواسطہ جدِ فاسد تعلق رکھتی ہو جیسے نانا کی ماں وغیرہ، ماں کی دادی پردادی وغیرہ۔

صنف سوم: جزء اصلِ قریب: یعنی میت کے ماں باپ کی وہ اولاد جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہو۔ ان کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ بھانجے بھانجیاں ۲۔ بھتیجیاں اور ان کی اولاد

۳۔ بھتیجوں کی بیٹیاں ۴۔ اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کی اولاد

صنف چہارم: جزء اصل بعید: یعنی میت کے دادا، دادی یا نانا، نانی کی وہ اولاد جو ذوی الارحام ہو۔ یہ کئی قسمیں ہیں:

۱۔ پھوپی، اخیافی چچااور ان کی اولاد ۲۔ خالہ، ماموں اور ان کی اولاد

۳۔ چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کی اولاد ۴۔ ماں یا باپ کی پھوپھی، خالہ اور ماموں

۵۔ اجداد وجدات کی پھوپھی، خالہ اور ماموں، اوپر تک۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب ذوی الفروض نسبیہ اور عصبیات میں سے (میاں بیوی کے سوا) کوئی بھی موجود نہ ہو۔ ترکہ میں ان کے حصے مقرر نہیں ہیں بلکہ عصبات کی طرح جس کو ترجیح حاصل ہوگی، وہ پورے ترکے کا مستحق ہوگا، باقی سب محروم ہوں گے۔

ذوی الارحام کے درمیان ترکے کی تقسیم

ذیل میں اختصار کے ساتھ ذوی الارحام کی ہر صنف میں ترکہ کی تقسیم کا حنفی نقطۂ نظر کے مطابق ذکر کیا جاتا ہے۔

صنف اول میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اگر کسی مسئلے میں صرف صنف اول کے چند ذوی الارحام ہوں، تو ان میں سے جو درجہ کے لحاظ سے میت کے زیادہ قریب ہو، وہی وراثت کا مستحق ہوگا، باقی محروم ہوں گے۔ جیسے نواسی کے ساتھ پوتی کا بیٹا موجود ہو، تو یہ دونوں اگرچہ صنفِ اول کے ذوی الارحام میں سے ہیں، مگر نواسی درجے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، لہٰذا ترکہ اس کو ملے گا، اور پوتی کا بیٹا محروم ہوگا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو ان میں جو وارث (یعنی ذوی الفروض یا عصبات میں سے کسی) کی اولاد ہو وہی مستحق ہوگا، اور جو ذوی الارحام (میں سے کسی) کی اولاد ہو وہ محروم ہوگا۔ مثال کے طور پر پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا موجود ہوں، تو پوتی (جو ذوی الفروض میں سے ہے) کی بیٹی کو وراثت ملے گی اور نواسی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر بھتیجے کی بیٹی اور بھتیجی کا بیٹا ہوں تو بھتیجے (جو عصبہ ہے) کی بیٹی کو ترکہ ملے گا اور بھتیجی (جو ذوی الارحام میں سے ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

نوٹ: صنف اول میں ذوی الفروض کی اولاد اور عصبہ کی اولاد ایک ہی درجے میں نہیں پائی جاسکتی۔

۳۔ اگر درجہ اور حیثیت میں بھی یکساں ہوں (یعنی سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذی رحم کی اولاد ہوں) تو ان میں جو مذکر کی اولاد ہوگا وہ دوگنا حصہ پائے گا (چاہے وہ خود مذکر ہو یا مؤنث)۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو ترکے کے تین حصے ہوکر نواسے کی بیٹی کو دو حصے اور نواسی کے بیٹے کو ایک حصہ ملے گا۔

۴۔ اگر مذکر یا مؤنث اولاد ہونے میں بھی برابر ہوں تو ان میں ترکہ کی تقسیم للذکر مثل حظ الأنثيين (مرد کو عورت سے دوگنا حصہ) کے اصول پر ہوگی۔ جیسے کسی نے نواسہ اور نواسی چھوڑے ہوں تو ترکہ کے دو حصے نواسے اور ایک حصہ نواسی کو ملے گا۔

صنف دوم میں ترکے کی تقسیم

۱۔ میت کے جو زیادہ قریب ہو، اس صنف میں وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثال کے طور پر ماں کا باپ اور ماں کا نانا موجود ہوں تو ماں کا باپ چونکہ زیادہ قریبی ہے، اس لیے ترکہ اسی کو ملے گا اور ماں کا نانا محروم ہوگا۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو جس کا رشتہ میت سے کسی وارث (ذوی الفروض یا عصبہ) کے ذریعے ہو وہی مستحق ہوگا، اور جس کا رشتہ ذوی الارحام میں سے کسی کے ذریعے ہو وہ محروم رہے گا۔ جیسے کسی نے اپنے پیچھے اپنی ماں کا نانا اور ماں کا دادا چھوڑے ہوں تو ماں کا نانا مستحق ہوگا (اس لیے کہ وہ میت کی نانی کا باپ ہے اور نانی جدہ صحیحہ ہونے کے ناطے ذوی الفروض ہے) اور ماں کا دادا محروم ہوگا اس لیے کہ وہ میت کے نانا کا باپ ہے جو کہ جدِ فاسد (ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں سے) ہے۔

صنفِ سوم میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ اس صنف میں میت سے جو زیادہ قریب ہو وہی مستحق ہوگا، بقیہ محروم ہوں گے۔ مثلاً کسی نے بھتیجی کا بیٹا اور بھانجی چھوڑے ہوں تو ترکہ بھانجی کو ملے گا اس لیے کہ وہ زیادہ قریب ہے۔

۲۔ اگر درجے میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد مستحق ہوگی اور ذی رحم کی اولاد محروم رہے گی۔ مثلاً کسی شخص نے بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا چھوڑا ہو تو ترکہ بھتیجے کی بیٹی کو ملے گا۔ اس لیے کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے اور بھانجی کا بیٹا محروم ہوگا، اس لیے کہ وہ ذوی الارحام کی اولاد ہے۔

۳۔ اگر درجے اور وارث کی اولاد ہونے میں یکساں ہو تو جس کی قرابت زیادہ مضبوط ہوگی اسے ترجیح ملے گی۔ مثلاً ایک شخص نے سگے بھائی کی پوتی، سوتیلے (باپ شریک) بھائی کی پوتی اور سوتیلے (ماں شریک) بھائی کی پوتی چھوڑی ہو تو ترکہ کی مستحق سگے بھائی کی پوتی ہوگی، اور باپ شریک بھائی کی پوتی کمزور قرابت کی وجہ سے اور ماں شریک بھائی کی پوتی وارث کی اولاد نہ ہونے کی بنا پر محروم ہوگی۔

صنف چہارم میں ترکہ کی تقسیم

صنف چہارم دو فریق ہیں: اَبوی (باپ کی طرف سے) اور اُموی (ماں کی طرف سے)

فریق اَبوی (ددھیالی): جو میت کے باپ کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگی پھوپھی، علاتی پھوپھی، اخیافی پھوپھی اور اخیافی چچا۔

فریق اُموی (ننھیالی): جو میت کی ماں کی طرف سے تعلق رکھتے ہوں جیسے سگا ماموں، خالہ اور علاتی ماموں اور خالہ اور اخیافی ماموں اور خالہ۔

اس صنف میں پہلے مستحق یہی ہیں پھر ان کی اولاد۔ ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی:

۱۔ اگر کسی ایک فریق کے متعدد افراد موجود ہوں تو قوتِ قرابت کو ترجیح ہوگی، یعنی عینی (سگے) کو علاتی (باپ شریک) پر اور علاتی کو اخیافی (ماں شریک) پر ترجیح دی جائے گی، خواہ مرد ہوں یا عورت۔

۲۔ مرد کو ۲/۳ اور عورت کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔ مثلاً کسی نے پھوپھی اور اخیافی چچا چھوڑے ہوں تو اخیافی چچا کو ۲/۳ اور پھوپھی کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر دونوں فریق جمع ہوں تو کسی فریق کو دوسرے پر قوتِ قرابت کی بنا پر ترجیح نہ ہوگی، بلکہ دونوں بیک وقت مستحق ہوں گے۔ جیسے کسی شخص نے سگی خالہ اور علاتی پھوپھی چھوڑی ہوں تو دونوں مستحق ہوں گی۔ البتہ باپ کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو ۲/۳

اور ماں کی طرف سے قرابت رکھنے والوں کو ۱/۳ حصہ ملے گا۔ مذکورہ مثال میں سگی خالہ کو ۱/۳ اور علاتی پھوپھی کو ۲/۳ دیا جائے گا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (ابوی اور اموی) کے کئی افراد موجود ہوں تو پہلے ہر فریق کے حصے (۲/۳ اور ۱/۳) الگ الگ کر لیے جائیں گے۔ پھر ان کے افراد پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔

صنف چہارم کی اولاد میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ کسی بھی طرف کی اولاد ہو تو زیادہ قریب والے کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے خالہ کا بیٹا اور پھوپھی کا پوتا چھوڑے ہوں تو خالہ کا بیٹا ترکے کا مستحق ہوگا، اسی طرح اس کے برعکس۔

۲۔ درجے میں برابر ہوں تو قوی قرابت کو ترجیح ہوگی۔ مثلاً کسی نے سگی پھوپھی کی بیٹی اور اخیافی چچا کا بیٹا چھوڑے ہوں تو سگی پھوپھی کی بیٹی مستحق ہوگی۔

۳۔ درجہ اور قوت میں بھی برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح ہوگی۔ جیسے کسی نے عینی چچا کی بیٹی اور عینی پھوپھی کا بیٹا چھوڑے ہوں تو عینی (سگے) چچا (جو عصبہ ہے) کی بیٹی مستحق ہوگی، اور عینی پھوپھی (جو ذوی الارحام ہے) کا بیٹا محروم ہوگا۔

۴۔ اگر دونوں طرف (اَبوی اور اُموی) کی اولادیں جمع ہوں (اور درجے میں برابر ہوں) تو کوئی بھی کسی کو محروم نہیں کرے گا۔ البتہ باپ کی طرف والے کو ۲/۳ دیا جائے گا۔ پھر ہر طرف میں اگر متعدد افراد موجود ہوں تو ان میں باہم، مضبوط قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونے کی ترجیح ملحوظ رہے گی۔

۵۔ اگر میت کے چچا، پھوپھیاں، خالائیں اور ان کی اولادیں نہ ہوں تو پھر وراثت کا یہی طریقہ میت کے والدین چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں اور پھر ان کی اولاد میں جاری ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر میت کے اجداد و جدّات کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں میں اور پھر ان کی اولادوں میں جاری ہوگا۔

اہل التنزیل کا نقطۂ نظر

حنفی اور حنبلی فقہا کے برعکس متقدمین مالکی اور شافعی فقہا ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کے بجائے ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں متوفی کا ترکہ بیت المال میں جمع کرا دینے کی رائے رکھتے تھے، مگر جب بیت المال کے نظام میں اضمحلال آیا تو ان کے متاخرین فقہا نے بھی ذوی الارحام کو وراثت میں حصہ دینے کا نقطۂ نظر اختیار کر لیا۔
مالکی، شافعی اور حنبلی فقہا ذوی الارحام کو حصے دینے میں ان کے اصول وآبا کو دیکھتے ہیں اور جو حصہ ان کے اصول (بڑوں) کو مل سکتا تھا، موجود فروع (اولاد) کو وہی حصہ دیتے ہیں۔
مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں "نواسی، بھانجی اور باپ شریک بھائی کی بیٹی" ہو تو ان کے نزدیک نواسی کو نصف (۱/۲) اور بھانجی کو باقی نصف دے دیا جائے گا، جبکہ سوتیلی بھتیجی محروم رہے گی۔ اس لیے کہ وہ زندہ ذوی الارحام کو نہیں، بلکہ ان کے اصول کو دیکھتے ہیں جو "بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بھائی" ہیں۔ ان میں وراثت جس طرح تقسیم ہوتی، ان کی اولاد کو بھی اسی طرح حصے دیے جائیں گے۔ تنزیل کا یہی مفہوم ہے، اسی لیے ان فقہا کے نقطۂ نظر کو مذہب أهل التنزيل کہا گیا ہے۔

اہل تنزیل ذوی الارحام میں اس طرح کی ترتیب قائم کر کے ان کو حصے نہیں دیتے جس طرح حنفی فقہا (جو أهل القرابة کہلاتے ہیں) قائم کرتے ہیں۔ نیز اہل تنزیل کے نزدیک ترجیح کی بنیاد کسی ذی رحم کی میت کے ساتھ زیادہ قریبی قرابت ہوگی، چنانچہ جس ذی رحم کا میت کے ساتھ کسی ذی فرض یا عصبہ وارث کے ذریعے تعلق ہو، اسے ترجیح دی جائے گی۔ جبکہ حنفی فقہا کے نزدیک ترجیح کی پہلی بنیاد درجہ کا قریب ہونا، پھر قرابت کا قوی ہونا ہے۔

باب ۱۱

تقسیمِ ترکہ کی خصوصی صورتیں*

ا۔ حمل (Child in the Womb)

جب کوئی وارث حمل کی صورت میں ہو تو ترکہ کی تقسیم کرنے سے پہلے اس کا انتظار کرلینا چاہیے، تاکہ حمل کا وارث یا ناوارث ہونا، نیز اس کی جنس مرد یا عورت ہونا واضح ہو جائے، اور اس کے مطابق موجودہ وُرثا کی حیثیت بھی متعین ہو جائے۔

اگر ولادت کا انتظار نہ کیا جاسکے اور ولادت سے قبل ہی عارضی تقسیم مطلوب ہو تو موجودہ وُرثا سے ضامن اور عہد لیا جائے کہ حمل سے اگر ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوگئے تو وہ ان کے استحقاق کے مطابق حصہ واپس کردیں گے۔ پھر حمل کو ایک بچہ پر فرض کرکے اس کے لیے ترکہ میں سے بہتر حصہ محفوظ کرلیا جائے، یعنی لڑکا فرض کرنے کی صورت میں اگر اس کو زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکے کا حصہ محفوظ کرلیا جائے، اور اگر لڑکی فرض کرنے کی صورت میں اسے زیادہ حصہ ملتا ہو تو لڑکی کا حصہ محفوظ کرلیا جائے۔ پھر ولادت ہونے پر اگر وہ پورے محفوظ کردہ حصے کا مستحق ہو تو اس کو وہ دے دیا جائے، ورنہ اس کے استحقاق کے مطابق اسے حصہ دے کر بقیہ حصہ دیگر وُرثا پر ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کردیا جائے۔

جو حمل ترکے کا مستحق ہو اس کی وجہ سے موجودہ وُرثا کے درج ذیل تین حالات ہوں گے:

ا۔ بعض مکمل طور پر محروم ہوں گے

۲۔ بعض محجوب بنقصان ہوں گے، یعنی ان کا حصہ کم ہو جائے گا۔

۳۔ بعض محفوظ ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

---

* الموسوعة الفقهية ۳: ۶۳ وما بعد

حمل کی وراثت کے لیے شرائط

حمل کے وارث ہونے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ حمل کا اکثر حصہ زندہ پیدا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی بچہ مردہ پیدا ہو تو وہ وارث نہیں ہو گا۔ البتہ اگر (اسقاط کی صورت میں) رحم سے مار کر نکالا گیا تو وارث ہو گا۔

۲۔ مورّث کی موت کے وقت استقرارِ حمل کا یقین ہو۔ یعنی (حمل مورّث کا نہ ہونے کی صورت میں) اگر میاں بیوی کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو تو وہ مورث کی موت کے بعد چھ ماہ یا اس سے کم مدت میں پیدا ہو۔ اس لیے کہ تمام فقہا کے نزدیک حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس لیے اگر وہ چھ ماہ سے زیادہ عرصے میں پیدا ہوا تو وارث نہیں ہو گا۔ البتہ حمل اگر خود مورّث کا ہے تو وہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت (دو سال) تک پیدا ہونے کی صورت میں بھی وارث ہو گا اگر اس کی والدہ نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال کا ہونا حنفی فقہ کے مطابق ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ بچہ ماں کے رحم میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا۔ لہٰذا کسی شخص کی منکوحہ نے اگر نکاح کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنا تو اس کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہو گا، اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔ اسی طرح اگر شوہر کی وفات کے دو سال بعد اس کی بیوہ نے بچہ جنا تو میت سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا اور نہ ہی یہ اس کا وارث بنے گا۔

حنفی فقہا نے بطور احتیاط حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال قرار دی ہے، مگر اس بارے میں تجربہ وعادت اور طبِ جدید کے ماہرین کی رائے ہی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ابن رشد نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔[1]

۱۔ بدایة المجتهد، دار السلام، قاہرہ ۱۹۹۵ء، کتاب الفرائض ۴: ۲۰۸۶

"اسلامی تنظیم برائے طبی علوم" کی تیسری کانفرنس منعقدہ ۱۹۸۷ء میں جو قرارداد منظور کی گئی، اس کے مطابق حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت ۲۸۰ دن یا بعض استثنائی حالات میں ۳۳۰ دن قرار دی گئی۔[2]

توضیحی مثالیں

اصل مسئلہ ۸		
حاملہ بیوی	۱/۸	۱
بیٹا	عصبہ	۷
حمل (بیٹا)	عصبہ	

اس مثال میں حمل کو اگر بیٹی فرض کیا جائے تو اس کو بیوی سے باقی ماندہ ترکہ کا ۳/۱ حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹا فرض کرتے ہیں تو اس کو باقی ماندہ کا ۲/۱ ملے گا۔ لہٰذا یہاں حمل کو بیٹا فرض کر کے اس کے لیے بہتر حصہ یعنی بیوی کو حصہ دے کر بچے رہنے والے ترکہ کا نصف ۲/۱ محفوظ رکھیں گے۔

اصل مسئلہ ۶ عول ۸		
شوہر	۱/۲	۳
ماں (حاملہ)	۱/۶	۱
ماں شریک بھائی	۱/۶	۱
حمل (سگی بہن)	۱/۲	۳

۲۔ مجلة كلية الشريعة والدراسات الإسلامية، جامعہ کویت، شمارہ شعبان ۱۴۲۸ھ

اس مثال میں حمل کو اگر لڑکا (سگا بھائی) فرض کریں تو وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ۶/۱ کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر لڑکی (سگی بہن) فرض کریں تو وہ اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے ۲/۱ کی مستحق ہے۔ اور اس صورت میں چونکہ یہ مسئلہ ۶ سے ۸ کی طرف عول کرتا ہے، اس لیے آٹھ میں سے تین ۸/۳ کی مستحق ہوگی۔ لہٰذا یہاں حمل کو سگی بہن فرض کرتے ہوئے اس کے لیے ۸/۳ حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔

اصل مسئلہ ۶، عول ۹		
شوہر	۱/۲	۳
ماں	۱/۶	۱
ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲
حمل (باپ شریک بہن)	۱/۲	۳ محفوظ

اس مثال میں میت دیگر وُرثا کے علاوہ سوتیلی ماں چھوڑ کر فوت ہوا ہے۔ سوتیلی ماں کو تو حصہ نہیں ملے گا، البتہ حمل کو اگر لڑکا (سوتیلا بھائی باپ کی طرف سے) فرض کیا جائے تو وہ عصبہ ہوگا اور حصے مکمل ہو جانے کی وجہ سے اس کے لیے کچھ نہیں بچتا، اس طرح وہ محروم رہے گا۔ جبکہ اگر اسے سوتیلی بہن (علاتی) فرض کیا جائے تو وہ ۲/۱ کی مستحق بنتی ہے اور حصے زیادہ ہونے کی وجہ سے مسئلے میں عول آگیا، اس طرح اس کا حصہ ۹/۳ بنتا ہے جو اس کے لیے محفوظ رہے گا۔

	۶		۶
۲/۱ سگی بہن	۳	۲/۱ سگی بہن	۳
۶/۱ باپ شریک بہن	۱	۶/۱ باپ شریک بہن	۱
۶/۱ ماں (حاملہ)	۱	۶/۱ ماں (حاملہ)	۱
۶/۱ حمل (ماں شریک بھائی)	۱	۶/۱ حمل (ماں شریک بہن)	۱

اس مثال میں حمل کو چاہے بچہ فرض کیا جائے یا بچی، دونوں صورتوں میں اس کا حصہ ایک ہی رہے گا۔

ماں شریک بھائی

بہو حاملہ

حمل (پوتا + پوتی)   محفوظ

اس مثال میں میت کے وُرثا ایک سوتیلا ماں شریک بھائی اور حمل ہے۔ حمل کو چاہے لڑکا فرض کیا جائے یا لڑکی، بہر صورت سوتیلا بھائی محروم رہے گا۔ اس لیے ایسی صورت میں پورا ترکہ وضع حمل تک محفوظ رکھا جائے گا۔

۲۔ خُنثیٰ (Hermaphrodites)

خنثیٰ وہ شخص ہے جو زنانہ اور مردانہ دونوں اعضا رکھتا ہو۔ پھر اگر مردانہ عضو سے پیشاب کرے تو مرد کے حکم میں ہوگا، ورنہ عورت کے حکم میں ہوگا۔ اگر دونوں اعضا سے پیشاب کرتا ہو تو پھر جس عضو سے پیشاب پہلے خارج ہوا ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

اگر دونوں اعضا سے بیک وقت پیشاب کرتا ہو، یا دونوں اعضا ہی نہ رکھتا ہو (صرف سوراخ ہو)، تو اسے خُنثیٰ مشکل کہتے ہیں۔ بلوغت سے قبل اس کو مرد کہا جاسکتا ہے اور نہ عورت۔ پھر بلوغت کے بعد اگر مردانہ علامات ظاہر ہو جائیں، تو وہ مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر زنانہ علامات ظاہر ہوں تو عورت کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں اب یہ خُنثیٰ مشکل نہ رہا۔

میراث پانے میں خُنثیٰ مشکل کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو عورت قرار دینے کی صورت میں حصہ کم ملتا ہو تو اسے عورت قرار دیں گے اور اگر مرد قرار دینے میں اس کو حصہ کم ملتا ہے تو اسے مرد قرار دیں گے، بہر حال کم تر حصہ اس کو ملے گا۔

نوٹ: خُنثیٰ مشکل کو کم تر حصہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ زیادہ حصہ مقرر کرنا شک کی بات تھی اور کم حصہ یقینی ہے، دوسرے شاید اس میں معاشی حکمت یہ ہو کہ خنثیٰ مشکل کو اولاد نہیں ہو سکتی، لہٰذا ترکہ کو دیگر وارثوں پر صرف کرنا بہتر ہے۔

توضیحی مثالیں

وارث	کل حصے ۴
بیٹا	۲
بیٹی	۱
خُنثیٰ	۱

اس مثال میں اگر خُنثیٰ کو بیٹا قرار دیں تو وُرثا میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں گے اور خُنثیٰ کو بیٹی کا دوگنا ملے گا۔ اگر اس کو بیٹی قرار دیں تو ایک بیٹا اور دو بیٹی ہوں گے اور خنثیٰ کو بیٹے کا ۱/۲ ملے گا۔ اس لیے اسے بیٹی قرار دیں گے اور ترکہ ۲:۱ کے حساب سے تقسیم ہو گا۔

شوہر	۱/۲	۱
سگی بہن	۱/۲	۱
خُنثیٰ (باپ شریک بھائی)	محروم	—

اس مثال میں خُنثیٰ کے لیے عورت (باپ شریک بہن) ہونا بہتر تھا، کہ اس صورت میں اسے ۱/۶ ملتا۔ مگر ہم نے اسے باپ شریک بھائی (عصبہ) فرض کر کے محروم رکھا۔ کیونکہ ذوی الفروض سے اس کے لیے کچھ نہ بچا۔

۳۔ مفقود الخبر (Missing Person)

جو شخص غائب ہو جائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں، اس کو مفقود کہتے ہیں۔ وراثت کے سلسلے میں اس کی دو حالتیں ہیں:

اول یہ کہ کوئی اس کا وارث بنے۔

دوم یہ کہ وہ کسی کا وارث بنے۔

پہلی حالت کا حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے، یا اس کی عمر حنفی فقہ کے مطابق ۹۰ سال ہو جائے (مگر متاخرین نے مالکیہ کی رائے پر فتویٰ دیا ہے جس کے مطابق چار سال تک اس کا انتظار کیا جائے)، تو کوئی شخص نہ تو اس کے مال کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔ وہ اپنے مال اور بیوی کے بارے میں زندہ تصور کیا جائے گا۔ پھر جب اس کی موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی موت کا فیصلہ کر دے تو اس وقت جو وُرثا زندہ ہوں وہی مستحق ہوں گے، اور جو اس سے پہلے اس کی گمشدگی کے عرصے میں وفات پا چکے ہوں وہ مستحق نہ ہوں گے، اور اسی تاریخ سے اس کی بیوی چار ماہ دس دن کی عدتِ وفات پوری کرے گی۔

دوسری حالت (یعنی خود کسی کا وارث بنے) کا حکم یہ ہے کہ مفقود کا حصہ حمل کی طرح بطور امانت محفوظ کر لیا جائے، یعنی اس کو زندہ یا مردہ تصور کر کے جس تقسیم میں باقی وُرثا کو کم حصہ ملتا ہو، اس کے مطابق ان کو حصے دے کر باقی ترکہ محفوظ رکھا جائے۔ پھر اگر وہ واپس آ جائے یا اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس تقسیم کے مطابق محفوظ شدہ حصے بانٹ دیے جائیں۔ اگر موت کا ثبوت مل جائے یا عدالت اس کی وفات کا فیصلہ جاری کر دے تو اس وقت مفقود کے جو وُرثا زندہ موجود ہوں ان میں اس کا محفوظ شدہ مال تقسیم کر دیا جائے۔

۴۔ ولد الزنا (Iligitimate Child)

حنفی، مالکی اور شافعی فقہا کے نزدیک ولد الزنا صرف اپنے ماں کی طرف سے وراثت کا حق دار ہوگا اور زنا کرنے والے مرد یا اس کے کسی رشتہ دار کے ترکہ سے کسی حصے کا حق دار نہیں ہوگا۔ اسی طرح ولد الزنا کے انتقال کی صورت میں اس کی ماں اور اس کے رشتہ دار اس کے ترکے کے وارث ہوں گے۔

جعفری فقہ میں زنا کے نتیجے میں وجود میں آنے والا بچہ ماں سے بھی وراثت نہیں پائے گا۔

احکامِ وراثت۔ جعفری نقطۂ نظر

سنی مذاہب فقہ اور اہل تشیع (فقہ جعفری) کے مابین عصبات، حجب اور عول ورڈ کے بعض مسائل میں اختلاف ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

- موانع ارث میں سے ایک دین کا اختلاف ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے نزدیک نہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کافر کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؛ لیکن جعفری فقہ کی رو سے مسلمان غیر مسلم کا وارث قرار پاتا ہے۔

قتل کے حوالے سے جعفری فقہ کی رائے مالکی فقہ کے مطابق ہے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے:

- فقہ جعفری میں مرد وعورت وُرثا کے حسب ذیل تین درجے بنائے گئے ہیں:

۱۔ ماں، باپ اور اولاد خواہ اس کا سلسلہ کتنا ہی نیچے جائے۔

۲۔ بھائی بہنیں (نیچے تک) دادا، دادی اور نانا، نانی اوپر تک۔

۳۔ چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں اور ان کی اولاد۔

جعفری فقہ کے مطابق ان میں سے پہلا درجہ باقی درجوں کے لیے حاجب (محروم کنندہ) بنتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی میت کے وارث بیٹی اور بھائی ہوں تو چونکہ بیٹی اوپر کے درجے کی ہے؛ اس لیے پورا ترکہ اسے دیا جائے گا، جبکہ بھائی وراثت سے محروم رہے گا۔

- اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جعفری فقہ میں عصبہ کا تصور نہیں، یا محدود ہے۔ ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وہ قریبی صاحب فرض کو دیا جائے گا، چاہے وہ عورت ہو۔ اہل تشیع صحیح بخاری کی حضرت طاووس والی روایت: ألحقوا

الفرائض بأهلها، فما بقي فلأولى رجل ذكر کو طاووس (راويِ حديث) کے ان کے ہاں ضعیف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں مانتے۔

- عول کے حوالے سے بھی جعفری فقہ کا نقطۂ نظر اہل سنت سے مختلف ہے۔ وہ عول کے قائل نہیں، بلکہ میاں بیوی اور ماں باپ کو ان کے پورے حصے دینے کے بعد جو بچتا ہو، وہ بیٹیوں اور بہنوں کو دے دیتے ہیں؛ اس طرح ان کے نزدیک کمی بیٹیوں اور بہنوں کے حصے میں آئے گی نہ کہ میاں بیوی اور ماں باپ کے حصوں میں؛ کیونکہ ان کے نزدیک ان مؤخر الذکر ورثا کے حصے قرآن مجید نے متعین کر رکھے ہیں۔
- اہل تشیع کے نزدیک بیٹی کا درجہ بیٹے جیسا ہے، چنانچہ وہ پوتوں پوتیوں اور ہر قسم کے بہن بھائیوں کو محجوب کر دیتی ہے۔
- جعفری فقہ کے مطابق ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو تمام ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے مطابق دوبارہ دیا جائے گا، اگر اس سے بالائی درجے کا وارث موجود نہ ہو، لیکن اگر بالائی درجے کا وارث موجود ہو تو باقی ماندہ ترکہ اس کا ہو گا، جیسے ماں اور باپ؛ اس صورت میں ماں اپنا مقررہ حصہ لے گی اور باقی باپ کا ہو گا۔ لیکن اگر ذوی الفروض میں سے کسی وارث کے ساتھ ایسا وارث موجود ہو جو اس کا ہم درجہ نہیں؛ تو باقی ماندہ ترکہ اس صاحب فرض شخص کو دیا جائے گا، جیسے اگر کسی مسئلے میں ماں اور بھائی ہوں تو ماں کو ایک تہائی اس کے حصے کے طور پر اور باقی ماندہ ترکہ رد کے طور پر دیا جائے گا اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا؛ اس لیے کہ وہ دوسرے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔

پاکستان میں وراثت سے متعلق قوانین

قیام پاکستان سے قبل برطانوی عہد حکومت میں وراثت کو شخصی (personal) معاملات میں رکھا گیا تھا جن کے بارے میں اصولی طور پر یہ طے کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے ان معاملات سے متعلق امور احکام شریعت کے مطابق طے کیے جائیں گے اور انگریز حکومت ان سے متعلق کوئی ایسی قانون سازی نہیں کرے گی جو احکام شریعت سے متصادم ہو۔ چنانچہ برطانوی استعمار کے دور میں بھی عدالتیں وراثت سمیت مسلمانوں کے تمام شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے کرتی تھیں اور حکمرانوں کی طرف سے کوئی باقاعدہ قانون سازی یا ضابطہ بندی نہیں کی گئی۔ برصغیر میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت حنفی فقہ کی پیروکار ہے، اس لیے ان معاملات میں حنفی فقہ کو بنیاد بنایا گیا۔ اسی دور میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انگریزی زبان میں ایسی کتابیں تیار کی جائیں جو انگریزی عدالتوں کو فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کرنے میں مدد دے سکیں۔ چنانچہ A Rumsy نے فقہ حنفی کی میراث پر مستند کتاب السراجیہ کا انگریزی ترجمہ کیا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اگرچہ انگریز حکمرانوں نے یہ طے کیا تھا کہ دیگر شخصی معاملات کے ساتھ ساتھ وراثت کو احکام شریعت کے مطابق طے کیا جائے گا، تاہم انہوں نے میت کے ترکہ کے منتقل ہونے سے متعلق برصغیر میں رائج چند ایسی رسوم کو قانونی تحفظ فراہم کیا جو شریعت کے منافی تھیں۔ خاص طور پر پنجاب میں رواج کہ کسی شخص کی وفات پر اس کی بیوہ، والدہ، بہن یا لڑکی اس کی جائداد پر اپنی زندگی تک قبضہ رکھ کر اس کی آمدنی پر گزارہ کرتی رہے اور اس خاتون کے انتقال پر یہ جائداد مرحوم کے مرد رشتہ داروں کی طرف لوٹ جائے۔

قیام پاکستان کے بعد یہ صورت حال برقرار رہی البتہ شریعت سے متصادم رسوم کو جو قانونی تحفظ حاصل تھا اسے بڑی حد تک ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ پہلے ۱۹۴۸ء اور پھر ۱۹۶۲ء میں

مسلم شخصی قانون (نفاذ شریعت قانون) کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ مسلمانوں کے ۱۴ شخصی معاملات شریعت کے مطابق طے پائیں گے اور ان میں شریعت کا فیصلہ ہی قانونی شمار ہو گا۔ ان معاملات میں وراثت سر فہرست ہے۔ اس حوالے سے West Pakistan Muslim Personal Law (Shariat Application) Act 1962 کی دفعہ ۲ درج ذیل ہے:

Notwithstanding any custom or usage, in all questions regarding succession (whether testate or intestate), special property of female, betrothal, marriage, divorce, adoption, guardianship, minority, legitimacy or bastardy, family relations, will, legacies, gifts, religious usages or institutions including waqfs, trusts and trust properties, the rule of decision, subject to the provision of any enactment for the time being in force, shall be the Muslim Personal Law (Shariat) in case where the parties are Muslim.

(قطع نظر کسی رواج یا رسم کے، وراثت، خواتین کی خصوصی جائداد، پیغام نکاح، نکاح، طلاق، مہر، تبنّیت، ولایت، نابالغیت، ابنیت، تعلقات اقربا، وصیت، ہبہ، مذہبی رسومات اور ادارے جن میں وقف، ٹرسٹ اور ٹرسٹ جائداد شامل ہیں، ان سے متعلق تمام امور مسلم پرسنل لا کے تحت طے کیے جائیں گے اگر فریقین مسلمان ہوں بشرطیکہ اس پر کوئی قانون موجود نہ ہو)۔

اگرچہ مذکورہ بالا معاملات کے تصفیے کے لیے شریعت کو فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، لیکن اس سے ایک استثنا رکھا گیا ہے جیسا کہ اس دفعہ میں مذکور ہے کہ یہ معاملات صرف اسی وقت شریعت کے مطابق طے ہوں گے جب تک حکومت کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی قانون سازی نہ کی گئی ہو، اور حکومت نے اگر کوئی ایسا قانون نافذ کیا جو ان معاملات کے بارے میں کوئی حکم وضع کرتا ہو تو اسے ترجیح حاصل ہو گی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان قوانین میں کوئی شق اگر خلاف شریعت بھی ہو تو وہ نافذ العمل ہو گی۔

وراثت سے متعلق حکومت کی طرف سے اب تک جو قانون سازی کی گئی ہے وہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء دفعہ ۴ ہے جو یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق ہے۔ اس سے متعلق گفتگو پیچھے "یتیم پوتے کی وراثت" کے تحت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان میں مسلمانوں کے احکام وراثت کو بڑی حد تک شریعت کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلے کے علاوہ اس سلسلے میں ریاست کی طرف سے کوئی باقاعدہ اور مفصل ضابطہ بندی یا تدوین عمل میں نہیں لائی گئی، بلکہ قانون کی عدم تدوین سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا قرار دیا گیا ہے کہ وراثت احکام شریعت کے مطابق تقسیم ہو گی۔

خواتین کے حق وراثت کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ

آج کل مسلم معاشروں بالخصوص پاکستان میں قرآن وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بعض لوگ خواتین ورثا کو ان کے حق وراثت سے محروم رکھتے ہیں اور مورث سے منتقل ہونے والی جائداد خاص طور پر زرعی زمین ان کے حوالے نہیں کرتے۔ پاکستان میں اس رجحان کے بارے میں سپریم کورٹ نے غلام علی بنام غلام سرور نقوی مقدمے میں خواتین کے حق وراثت کے تحفظ کی خاطر درج ذیل اصول وضع کیے ہیں:

- کوئی بھائی زمین پر قبضے جسے قانون کی زبان میں قبضہ مخالفانہ (adverse possession) کہتے ہیں، اسے اپنی بہن کے خلاف قانونی جواز کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ ترکہ میں منتقل ہونے والی جائداد پر کسی ایک وارث کے قبضے کو تمام ورثا کے قبضے میں سمجھا جائے گا اور جن ورثا کے پاس اس جائداد کا حقیقی قبضہ نہ ہو، ان کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ ان کے معنوی (constructive) قبضے میں ہے، چنانچہ بھائیوں کے قبضے میں جائداد بہنوں کے قبضے میں بھی سمجھی جائے گی۔

- ریاست یعنی ریاستی اداروں اور عدالتوں کی جانب سے خواتین کے حق وراثت کو تسلیم اور نافذ کرنا اسلام میں public policy کی حیثیت رکھتا ہے؛ خواتین کو حق وراثت سے محروم کرنا پبلک پالیسی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنی مرضی سے بھی حق چھوڑ دے، تو وہ پبلک پالیسی کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گا۔
- اسلام میں خواتین بالخصوص قریبی رشتہ دار جیسے بیٹیاں، بہنیں، بیویاں اور مائیں، ان کے بارے میں جس طرح کے حسن سلوک کا کہا گیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کے حقوق خود بخود نافذ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے کسی بھائی کا یہ کہنا کہ اس کی بہن اپنے حق وراثت سے اس کے حق میں دست بردار ہو گی، غیر اخلاقی متصور ہو گا۔
- کسی خاتون نے چاہے اپنا حصہ مرد وارث کو تحفہ یا فروخت کے ذریعے دیا ہو، اسے بھی ناجائز اثر (undue influence) کے تحت قانونی تحفظ حاصل ہو گا اور ایسے تمام تصرفات کے بارے میں بنیادی مفروضہ یہی ہو گا کہ ان میں اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔*

* Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, pp. 221 - 222

ضمیمہ

TABLE OF SHARERS*

	Sharer	Normal Share		Conditions for inheritance of normal share	Shares as varied by special circumstances
		of One	Two or more divided equally		
1	Father	1/6		When there is a child or child of a son hls	The father inherits as a sharer and is a residuary with a female descending heir. and as a residuary in the absence of any descendant
2	True Grandfather hhs	1/6		When there is child or child of a son hls and no father or nearer true grandfather	With no father. the same as for father above. With full or consanguine brothers or sisters (a) according to Malik. the more advantageous of 1/3 or a brother's share in the absence of sharers. with a sharer the more advantageous of a brother's share. 1/6 or 1/3 of the residue, taking twice a full sister's share out of their shares total (b) Egyptian Law: the more advantageous of a brother's share of 1/6 or as a residuary with sisters inheriting as sharers.
3	Husband	1/4		When there is a child or child of a son hls	1/2 when there is no child or child of a son hls
4	Wife or Wives	1/8	1/8	When there is a child or child of a son hls	1/4 when there is no child or child of a son hls

* Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, pp. 85 - 87

5	Mother	1/6		As for father above. OR when there are two or more brothers or sisters, or one brother and one sister, whether full sonsanguine or uterine	1/3 when no child or child of a son hls and no more than one brother or sister (if any). When there is also a wife or husband as well as the father, only 1/3 of remainder after deducting the husband's or wife's share.
6	True Grand-mother hhs	1/6	1/6	When no mother and no nearer true grand-mother either paternal or maternal	Paternal tue grandmother is entirely excluded by the father and a grandfather through whom she is related to the deceased.
7	Daughter	1/2	2/3	When there is no son	She becomes a residuary with a son, taking half his share
8	Son's Daughter hls	1/2	2/3	When there is no son, daughter, higher son's daughter or equal son's son	No share at all with a higher son's son. No share with two daughters or two higher son's daughters, unless she becomes a residuary with an equal or inferior son's son when she gets half his share, 1/6 on her own share with like son's daughter, when there is one daughter or higher son's daughter if there is no male co-residuary.
9	Full sister	1/2	2/3	When no child, child of a son hls, father or full brother	No share at all with a male descendant hls, or a father. Only the Hanafis make a true grandgather exclude her as well. She

					becomes a residuary with a full brother taking half the share of a male, sharing one third with uterine siblings, and a residuary by a female decendant, e.g. dauthter or son's daughter hls if there is no full brother.
10	Consanguine sister	1/2	1/2	When no child, child of a son hls, father, full brother or sister or consanguine brother	No share at all with the father, an inheriting male descendant hls, a full brother or a full sister becoming residuary with daughters. No share when there are two full sisters unless there is a consanguine brother with whom she becomes a residuary and takes 1/2 his share. 1/6 as a sharer on her own or sharing it with like sister/s where there is one full sister and no consanguine brother. As a residuary with an inheriting female descendant.
11 & 12	Uterine brother or sister	1/6	1/3	When no child, child of a son hls, father, or true grandfather	A male receives the same share as a female.

حصہ دوم

وصیّت

باب ۱

تمہیدی مباحث

وصیت: تاریخی تناظر

وصیت مختلف قوموں میں زمانہ قدیم ہی سے رائج رہی ہے لیکن بعض زمانوں میں یہ کمزوروں پر ظلم کا موجب بھی بنی رہی ہے۔ مثلاً روم میں خاندان کے سربراہ کو اپنے مال میں ہر طرح کے تصرف کا غیر مشروط حق حاصل تھا، اس حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کسی اجنبی کے لیے وصیت کر دیتا اور اپنی حقیقی اولاد کو مال سے محروم کر دیتا۔ پھر ایک ایسا دور بھی آیا جب باقاعدہ قانون سازی کر کے حقیقی اولاد کو میراث کے بیشتر حصے سے محروم کر کے محض چوتھائی مال حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

عربوں کے ہاں بھی زمانہ جاہلیت میں صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ وہ اولاد کو نظر انداز کر کے اجنبیوں کے لیے اپنے مال کے متعلق وصیت کر جاتے تھے۔ جس کا منشا صرف اور صرف اظہارِ فخر ہوتا تھا۔ یوں متوفیٰ کے عزیز واقارب تو سخت محتاجی کی حالت میں رہ جاتے اور اجنبی اشخاص مرنے والے کے مال سے خوب فائدہ اٹھاتے۔ *

وصیت اسلام میں

جب اسلام آیا تو اس نے محل وصیت کو صحیح رخ عطا کیا اور اس کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی۔ ابتدائی احکام میں والدین اور اعزہ واقارب کے لیے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا

---

* الفقه الإسلامي وأدلته ٨: ٤٣ (بحوالہ: عیسوی احمد عیسوی، الوصية في الشريعة الإسلامية)

الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے باپ اور قرابت والوں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

ہجرتِ مدینہ اور غزوۂ اُحد کے بعد میراث کی تقسیم کا مکمل اور مفصل نظام نازل کیا گیا، جس میں ہر حق دار کے لیے اس کا حصہ مقرر کر دیا گیا، اور وصیت کا درجہ فرض سے گھٹا کر مستحب کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو درج ذیل دو باتوں سے مشروط کر دیا گیا:

۱۔ وصیت وارث کے حق میں نافذ نہ ہو گی، الا یہ کہ دوسرے وُرثا اجازت دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث[1] (اللہ تعالی نے ہر حق دار کو اس کا حق بتا دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت کی گنجائش نہیں)۔

۲۔ وصیت مال کے صرف ایک تہائی حصہ تک محدود ہو، اس سے زیادہ کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے فرمایا: الثلث، والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكفّفون الناس[2] (ہاں تہائی ٹھیک ہے گو کہ یہ بھی زیادہ ہے، تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاجی کے حالت میں چھوڑو کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں)۔

وصیت کی تعریف

لغوی طور پر وصیت کا استعمال درج ذیل تین معنوں میں ہوتا ہے:

۱۔ سنن ترمذی، ابواب الوصایا، باب ما جاء لا وصية لوارث، حدیث ۲۱۲۰؛ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب إبطال الوصية للوارث، حدیث ۳۶۴۱ (نیز یہ حدیث ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں بھی روایت ہوئی ہے)

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۴۲

۱۔ کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا، یعنی اپنی وفات کے بعد مال کا مالک بنانا۔

۲۔ کسی کو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا، یعنی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنے کا کہنا۔

۳۔ کسی کو بھلائی کے کاموں، نماز وغیرہ کی وصیت کرنا، یعنی نماز کا حکم دینا۔[1]

وصیت فقہی اصطلاح میں

حنفی فقہا کے نزدیک وصیت سے مراد تملیک (کسی چیز کا مالک بنانا) ہے، یعنی کسی دوسرے کو اپنی کسی چیز کا اپنے مرنے کے بعد کے زمانے کی طرف نسبت کر کے مالک بنا دینا وصیت کہلاتا ہے۔ وصیت میں ہبہ کی طرح دوسرے کو بلا کسی عوض مالک بنایا جاتا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے میں دوسرے کو اپنی زندگی میں ہی بلا عوض کسی چیز کا مالک بنا دیا جاتا ہے جبکہ وصیت میں یہ عمل وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا وصیت میں جو چیز اسے دوسرے معاہدوں یا تصرفات سے جدا کرتی ہے وہ اس کا موت کے بعد روبعمل ہونا ہے۔ وصیت جس طرح کسی چیز کی ذات (ذات شے) کے متعلق کی جا سکتی ہے اسی طرح کسی چیز سے حاصل ہونے والے فائدے کی بھی کی جا سکتی ہے۔

وصیت کرتے وقت ان الفاظ کا استعمال کرنا جو موت کی طرف منسوب ہوں ضروری نہیں؛ بلکہ صرف یہ کہنا کہ "میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں" کافی ہو گا، اگرچہ "میرے مرنے کے بعد" کے الفاظ استعمال نہ کرے۔

وصیت اس صورت میں بھی صحیح ہو گی، جب صراحۃً وصیت کا لفظ استعمال نہ کرے بلکہ ایسی بات کہے جو وصیت پر دلالت کرتی ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کہے: "میرے مال میں سے

۱۔ جزیری، عبدالرحمٰن، الفقه على المذاهب الأربعة/ اردو ترجمہ کتاب الفقہ، مترجم منظور احسن عباسی، طبع دوم، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب ۳: ۴۲۵

ایک تہائی فلاں کے لیے ہے؛" تو یہ بات وصیت تصور کی جائے گی، کیونکہ ایک "تہائی حصہ" موت کے بعد کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اگر یوں کہے کہ "میرا آدھا مال یا مال میں سے یا میرے چوتھائی مال میں سے،" تو یہ وصیت کے معنوں میں درست نہ ہوگا، اِلا یہ کہ وصیت کا لفظ صراحۃً استعمال کرے۔

مالکی فقہا کے ہاں وصیت کو ایک عقد تصور کیا گیا ہے، جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے۔

شافعی فقہا کے نزدیک وصیت کسی شخص کے حق میں بخشش کرنا ہے جس پر عمل درآمد کو وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد سے منسوب کیا گیا ہو۔ چاہے وفات کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔*

وصیت کی مشروعیت

وصیت کا مشروع (جائز) ہونا چار دلائل سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ قرآن کریم ۲۔ سنت مطہرہ ۳۔ اجماع ۴۔ عقل وقیاس

۱۔ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

* ایضاً

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۲] (اس وصیت کی تکمیل کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد)۔ اور ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۲] (اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائگی کے بعد)۔

پہلی آیت مبارکہ اعزہ واقارب کے لیے وصیت کا جائز ہونا بتلاتی ہے، جبکہ باقی دونوں آیات ادائگی قرض اور وصیت کو مقدم قرار دیتے ہوئے میراث کو مؤخر کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حکماً وصیت کا نفاذ، قرض کی ادائگی کے بعد ہوگا۔*

ایک اور آیت کریمہ جو وصیت کا مشروع (جائز) ہونا بتلاتی ہے، وہ یہ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ [المائدۃ۵: ۱۰۶] (اے ایمان والو، جب تم میں سے کوئی مرنے لگے تو وصیت کے وقت تم میں سے یا تمہارے غیروں میں سے دو عادل گواہ ہونے چاہئیں)۔

اس آیت مبارکہ میں حالت سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا حکم ہوا ہے، چنانچہ اگر وصیت مشروع نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا حکم نہ دیا جاتا۔

۲۔ سنت مطہرہ

آں حضرت ﷺ کی سنت سے بھی وصیت کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ مشہور ہے جسے مختلف کتب حدیث میں روایت کیا گیا ہے:

* الفقه الإسلامي وأدلته ۱۰: ۷۴۴

قال سعد بن أبي وقاص، جاءني رسول الله ﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتدّ بي، فقلت يا رسول الله، إني بلغ بي من الوجع ما ترى، وأنا ذو مال ولا يرثني إلا ابنة لي، أفأ تصدق بثلثي مالي؟ قال: لا، قلت فالشطر يا رسول الله؟ قال لا، فقلت، فالثلث، قال: الثلث، والثلث كثير، إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس[1] (حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں سخت بیمار پڑ گیا اور حضور ﷺ میری عیادت کرنے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول، آپ میری بیماری کی کیفیت ملاحظہ فرما رہے ہیں، میرے پاس مال ہے جبکہ میرے ورثا میں صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ (کرنے کی وصیت) کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کی: آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر میں نے عرض کی: ایک تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کر سکتے ہو، اور ایک تہائی بہت ہے، تم اپنے وُرثا کو مال دار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج وتنگ دست چھوڑ کر جاؤ اور وہ تمھارے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں)۔

دوسری حدیث جو وصیت کا مشروع ہونا بتلاتی ہے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن الله تصدّق عليكم عند وفاتكم بثلث أموالكم زيادة لكم في أعمالكم، تصنعونها حيث شئتم أو قال حيث أحببتُم[2] (اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں موت کے وقت تمہارے مال

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۴۲

۲۔ اس حدیث کو پانچ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ابن ماجہ نے روایت کی ہے: سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۰۹

کے ایک تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ جہاں چاہو اسے استعمال کرنے کی وصیت کرو)۔

یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر کرم ہے کہ اس نے وفات کے بعد بھی ان کے لیے اپنے ترکے میں تصرف کی آزادی رکھی ہے تاکہ زندگی میں اگر ان سے نیکی کے کام کرنے میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو وہ اس کے ذریعے سے اس کا ازالہ کر سکیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے جو وصیت کو جلد سے جلد لکھ کر اپنے پاس رکھنے کی ترغیب دلاتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ما حق امرئ مسلم، له شيء يوصي فيه، يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده* (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔

۳۔ اجماع

اہل علم کا ہر زمان ومکان میں وصیت کے مشروع ہونے پر اجماع رہا ہے۔

۴۔ عقل وقیاس

ہر مومن ومسلم کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی نیکیوں میں کسی نہ کسی طرح اضافہ ہو سکے۔ لہٰذا یہ بات عقل وقیاس کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ اپنی زندگی ہی میں وہ کچھ ایسا بندوبست کر جائے کہ مرنے کے بعد بھی اسے اس کا اجر وثواب ملتا رہے۔ اس خواہش کے پورا ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے مال کے حوالے سے کچھ ایسا اختیار دیا جائے کہ وہ مرنے کے بعد اس میں تصرف کر سکے۔ یہ اختیار وصیت کے ذریعے عطا کر دیا گیا ہے۔

* صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الوصية، باب الوصية من الثلث، حدیث ۱۶۲۷

وصیت کی حکمت

وصیت کو مشروع وجائز قرار دینے میں دو طرح کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک دنیا کے فائدے سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری آخرت کے اجر وثواب سے۔

۱۔ دنیوی فائدہ

وصیت کے ذریعے سے ان غریب، نادار اور مسکین اعزہ واقارب کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے جو وارث نہ ہوں۔ مثلاً پوتا جو کہ (اپنے باپ کی موجودگی میں) شرعی طور پر دادا کا وارث نہیں بن سکتا، مگر وصیت کے ذریعے سے دادا اپنے پوتے کو کچھ نہ کچھ دے سکتا ہے۔

۲۔ ثوابِ آخرت

جیسا کہ بیان کیا گیا، وصیت کے ذریعے سے انسان اپنے نیک اعمال میں اضافہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہونے والی کمی کوتاہی کا ازالہ کرسکتا ہے، مثلاً اپنے غریب ونادار رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے میں ایک تو صلہ رحمی کا اور دوسرے صدقہ کا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک تہائی مال خیر وبھلائی کے دیگر کاموں کے لیے وقف بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کوئی کنواں، نہر، پل، سڑک، سرائے یا ہسپتال وغیرہ کی تعمیر کرنے کی وصیت کرنا، مسجد، سکول اور مدرسہ وغیرہ کی تعمیر و اجرا کی وصیت کرنا۔ جب تک یہ ادارے قائم رہیں گے صدقہ جاریہ کی صورت میں مُوصی (وصیت کنندہ) کو عرصہ دراز تک ثواب پہنچنے کا ذریعہ بنے رہیں گے۔

وصیت کی اقسام

وصیت کی دو اقسام ہیں:*

۱۔ مطلق   ۲۔ مقید / معلق وصیت

* ابن قدامہ، المغني ۸: ۴۲۲

۱۔ مطلق وصیت

مطلق وصیت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص صرف یہ کہے کہ میں فلاں کے لیے اپنے مال کے فلاں حصے کی وصیت کرتا ہوں۔ مطلق وصیت کا حکم یہ ہے کہ اس کا نفاذ کسی شرط یا قید کے پورا ہونے پر موقوف نہیں ہوتا۔

۲۔ مقید وصیت

مقید وصیت وہ ہوتی ہے جس کا پورا ہونا کسی بات سے مشروط کر دیا گیا ہو، یا اس کے پورا ہونے کے لیے کوئی قید لگا دی گئی ہو، مثلاً یہ کہے کہ اگر میں اس بیماری سے مر جاؤں یا اس شہر میں مر جاؤں یا فلاں سفر کے دوران مر جاؤں تو فلاں کے لیے میرے مال کا اتنا حصہ ہے۔ اس حالت میں اگر شرط پوری ہو جائے تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر شرط پوری نہ ہو تو شرط کے پورا نہ ہونے کے باعث باطل ہو جائے گی۔

باب ۲

وصیت کا حکم شرعی اور اقسام

وصیت کی شرعی حیثیت مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ ابتداے اسلام میں وصیت فرض قرار دی گئی تھی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں وراثت صرف انھی لوگوں کو ملتی تھی جو جوان مرد ہوں اور جنگ میں شریک ہونے کی اہلیت و استطاعت رکھتے ہوں (جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا)۔ اس طرح کمزور، بوڑھے، ضعیف مرد وخواتین اور کم سن بچوں کا حق مارا جاتا تھا، لہٰذا مکمل نظام وارثت کے نفاذ سے قبل حکمت وتدبر کے تحت لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے غریب و مسکین اقارب کو کچھ دے جانے کی وصیت کرجایا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرہ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کردیا گیاہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کرجائے، پرہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے)۔

بعد میں جب مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہوئی اور میراث کی تقسیم کا مکمل نظام نازل ہوا، جس میں ہر حق دار کو اس کا حق دیا گیا اور وُرثاے ترکہ کا تعین کرکے ان کے حصے مقرر کردیے گئے، تو وصیت کو فرض کے بجاے مستحب قرار دیا گیا اور اس کے لیے ایک تہائی ترکہ کی حد مقرر کی گئی۔ بعدازاں مذکورہ بالا آیت کا حکم آیاتِ میراث کے ذریعے منسوخ کردیا گیا۔*

* مولانا مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ ۲: ۶۸۸

حکم شرعی کے لحاظ سے وصیت کی اقسام

۱۔ واجب ۲۔ مستحب ۳۔ مباح ۴۔ مکروہ تحریمی ۵۔ حرام

۱۔ واجب

تمام فقہا کے نزدیک ان چیزوں کے بارے میں وصیت کرنا انسان پر لازم اور واجب ہے جو اس کے ذمے دوسرے انسانوں کا حق ہوں، مثلاً ایسا قرض جس کے بارے میں وارثوں کو علم نہ ہو، یا اس کے لیے کوئی تحریری دستاویز موجود نہ ہو، یا لوگوں کی امانتیں اس کے پاس موجود ہوں۔ مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک حج، زکاۃ، نذر کا کفارہ یا کسی اور واجب الادا عبادت کے بارے میں وصیت کرنا بھی واجب ہے۔

کسی فرض یا واجب کام کی وصیت کا زبانی کہہ دینا یا لکھ کر اپنے پاس ہر وقت رکھنا ضروری ہے، تاکہ اچانک موت آجانے کی صوت میں حق داروں کی حق تلفی نہ ہو، ورنہ آدمی گناہ گار ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا صورت کے علاوہ ازراہ احسان کسی کے لیے وصیت کا تعلق ہے تو جمہور فقہا کا موقف ہے کہ ایسی وصیت انسان پر واجب نہیں۔ البتہ بعض فقہا جیسے زہریؒ، طاووسؒ، مسروقؒ، قتادہؒ، ابن جریرؒ، ابن حزمؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی وصیت واجب ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں وصیت کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰-۱۸۱] (تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور پیچھے مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے۔ یہ

حق ہے متقی لوگوں پر۔ پھر جنھوں نے وصیت سنی اور بعد میں اسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہوگا۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے)۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ (وہ مسلمان جس کے پاس وصیت کرنے کے لیے کوئی چیز ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر وصیت کرے دو راتیں بھی گزار دے الا یہ کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود ہونی چاہیے)۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے تب سے مجھ پر ایک رات بھی ایسی نہیں گزری کہ میرے پاس وصیت (لکھی ہوئی) موجود نہ ہو۔[1]

جمہور فقہا جو مذکورہ بالا صورت میں وصیت کے عدم وجوب کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اکثر صحابہ نے اپنے مال کی وصیت نہیں کی اور نہ ہی ان پر اس وجہ سے کوئی اعتراض کیا گیا؛ اگر وصیت وجوب کے درجہ میں ہوتی تو یقیناً صحابہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ جہاں تک سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت ۱۸۰ کا تعلق ہے جو وصیت کو واجب قرار دیتی ہے، تو وہ ابتداے اسلام کے زمانے میں نازل ہوئی تھی جسے بعد ازاں سورۃ النساء کی آیاتِ میراث نے منسوخ کر دیا، تاہم غیر وارث کے حق میں وصیت کا مستحب ہونا باقی ہے۔[2]

اسی طرح ان فقہا کے بقول درج ذیل احادیث بھی وصیت کے وجوب کے منسوخ ہونے کی تائید کرتی ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، حدیث ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض الأولاد في الھبة، حدیث ۱۶۲۷

۲۔ الموسوعة الفقهية ۴۳: ۲۲۴

۱۔ إِنَّ اللهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيبَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ، فَلَا تَجُوزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ[1]
(اللہ تعالیٰ نے ترکے میں ہر وارث کا حصہ تقسیم کر دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں)۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ، عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ، زِيَادَةً لَكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ[2]
(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نیک اعمال میں اضافہ کرنے کے لیے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں موت کے وقت اپنے مال کے ایک تہائی کی وصیت کرنے کی اجازت دے دی)۔

امام ابن حزم آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ

جو شخص بغیر وصیت کیے فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے آسانی سے جتنی مقدار ممکن ہو، بطور وصیت دیا جانا لازمی ہے کیونکہ وصیت کا فریضہ ادا کرنا واجب ہے، اور جب ایسا ہے تو یہ ضروری ہوا کہ میت کے مال سے وصیت واجبہ کے حصے میں میت کی ملکیت (بعد الموت) کو ساقط تصور کیا جائے، لیکن اس مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ مقدار کا تقرر وصی یا وُرثا کی رائے کے مطابق کیا جائے گا، اور وہ اس حد تک ہو جس سے وُرثا پر ظلم لازم نہ آتا ہو۔ سلف کے ایک گروہ کی بھی یہی رائے ہے اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ چنانچہ امام مالک ہشام بن عروہ کی سند سے، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث ۲۷۱۲؛ سنن ترمذی، ابواب الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، حديث ۲۱۲۱

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث ۲۷۰۹

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اگر وہ کچھ بول سکتیں تو صدقہ کرنے کا کہتیں، تو کیا میں ان کی جانب سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ چنانچہ اس شخص نے والدہ کی جانب سے صدقہ کر دیا۔"[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حکم فرض ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور انہوں نے وصیت نہیں کی تو میں اگر ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا یہ ان کے (وصیت نہ کرنے کے گناہ کے) لیے کفارہ ہو گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں۔"[2]

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ وصیت واجب ہے اور جس نے وصیت نہ کی ہو اس کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ کفارہ کا تعلق گناہ سے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ جس نے وصیت نہ کی اس کی طرف سے کفارہ یعنی صدقہ کیا جائے۔[3]

۲۔ مستحب

حنفی اور مالکی فقہا کی رائے میں مستحب وصیت کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، یعنی واجب الادا عبادات کے لیے جو وصیت کی جائے وہ مستحب ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما يستحب لمن يتوفى فجأة أن يتصدقوا عنه، حديث ۱۳۸۸؛ صحیح مسلم، کتاب الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه، حديث ۱۰۰۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت، حديث ۱۶۳۰؛ سنن نسائی، کتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت، حديث ۳۶۴۹

۳۔ المحلی، کتاب الوصايا، ۱۷۵۲۔ مسألة مات ولم يوص ۸: ۳۵۳،۳۵۲

شافعی فقہا کے نزدیک مستحب وصیت وہ ہے جو تاکیدی مستحب ہے۔ یعنی وہ وصیت جو وصیت کی شرائط کو پورا کرتی ہو مگر واجب، حرام یا مکروہ نہ ہو۔

حنبلی فقہا کے نزدیک مستحب وصیت سے مراد ایسی وصیت ہے جو کسی ایسے محتاج قرابت دار کے حق میں کی جائے جسے ترکے میں سے حصہ نہ مل سکتا ہو۔ لیکن اس طرح کی وصیت میں دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ اس قدر مال چھوڑے جسے بالعموم زیادہ تصور کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وصیت مال متروکہ کے پانچویں حصے سے زیادہ کے بارے میں نہ ہو، تاکہ وُرثا کو نقصان نہ پہنچے۔ اگر کوئی محتاج قرابت دار نہ ہو تو فقرا و مساکین اور اہل علم کے لیے ایسی وصیت مستحب ہو گی۔

۳۔ مباح

حنفی فقہا کا کہنا ہے کہ ایسی وصیت مباح ہو گی جو خوش حال رشتہ دار کے حق میں کی جائے۔ شافعی فقہا کے نزدیک صاحب ثروت شخص کے حق میں وصیت کرنا مباح ہے، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو۔ مالکی فقہ میں مباح وصیت وہ ہے جو کسی مباح امر کے لیے کی جائے۔ حنبلی فقہا کے نزدیک وصیت کی واجب، مستحب، مکروہ اور حرام اقسام کے علاوہ باقی تمام اقسام مباح ہیں۔

۴۔ مکروہ

حنفی فقہا کے ہاں مکروہ وصیت وہ ہے جو فساق و فجار اور گمراہ لوگوں کے لیے کی جائے۔ مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک ایسے شخص کا وصیت کرنا بھی مکروہ ہے جس کے پاس مال کم ہو، اس کا وارث موجود ہو اور وصیت کرنے کی صورت میں وہ محتاج و نادار رہ جائے۔

۵۔ حرام

شافعی فقہا کہتے ہیں کہ کسی سرکش یا مفسد کے حق میں وصیت کرنا، کہ اگر اس کا کچھ بھی حق ترکہ میں رکھا گیا، تو وہ فساد پھیلائے گا حرام ہے۔ حنبلی فقہا کے نزدیک وہ وصیت

حرام ہے جو وارث کے مال کے ایک تہائی حصے سے زیادہ کے بارے میں کی جائے۔ مالکی فقہا کے ہاں حرام وصیت وہ ہے جو کسی حرام کام کے لیے کی جائے۔ مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لیے وصیت کرنا۔

وھبہ زحیلی نے حرام وصیت کی چند درج ذیل صورتیں ذکر کی ہیں:

مسلمان کی جانب سے کلیسا کی تعمیر و مرمت کی وصیت کرنا، تورات اور انجیل کے پڑھنے لکھنے کے متعلق وصیت کرنا، گمراہی، فلسفہ، جادو ٹونے اور دوسرے تمام حرام علوم کی کتابت و تعلیم کی وصیت کرنا، شراب کے متعلق یا مخرب اخلاق چیزوں پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، اجنبی شخص کے لیے مال متروکہ کے ایک تہائی حصے سے زائد کی وصیت کرنا، وغیرہ۔*

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۵۴-۵۶

وصیت واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت

وہ فقہا جو وصیت واجبہ کے قائل ہیں، ان کی رائے سے استفادہ کرتے ہوئے بعض مسلم ممالک، مثلاً مصر، تیونس، شام، عراق وغیرہ میں دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے پوتیوں کے حق میں وصیت کو 'وصیتِ واجبہ' کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصر میں جو قانون سازی کی گئی ہے، وہ درج ذیل ہے:

دفعہ ۷۶۔ جبکہ موصی نے اپنی حیات میں فوت شدہ اولاد کے لیے کوئی وصیت نہ کی ہو، یا موصی کی موت کے ساتھ اس کی اولاد میں سے کسی کی موت واقع ہو گئی ہو، خواہ یہ موت حکمی ہی کیوں نہ ہو، تو اس فوت شدہ اولاد کے اس حصے کے مثل، جو اگر وہ زندہ ہوتا تو اپنے مورث (باپ) سے اس کو ملتا، اس کی اولاد کے حق میں ایک تہائی کی حد تک وصیت واجب متصور ہو گی، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اولاد موجودہ صورت میں غیر وارث ہو، اور میت (موصی) نے اس کو بغیر عوض کسی دوسرے طریقے (تصرف) کے ذریعے اتنی مقدار، جس کا وہ وراثت کے ذریعہ مستحق ہوتا، نہ دی ہو۔ اگر دی ہو اور اس مذکورہ مقدار سے کم ہو تو محض اتنی مقدار کے حق میں وصیت واجب سمجھی جائے گی جو اس کی استحقاقی مقدار کو پورا کر دے۔ یہ وصیت بیٹی کی اولاد کے اول طبقے کے لیے اور بیٹوں کی صلبی اولاد کے تمام نیچے کے مسلسل طبقوں کے لیے نافذ ہو گی، اور ہر اصل اپنی فرع کا حاجب ہو سکے گا۔ دوسرے طبقہ کی فرع کا حاجب متصور نہ ہو گا اور ہر اصل کا حصہ اس کی فرع (اولاد) پر خواہ وہ کتنے ہی نیچے تک کا سلسلہ ہو، تقسیم کیا جائے گا۔ یہ تقسیم میراث کی اس تقسیم کے مطابق ہو گی جبکہ اصل موجود ہوتی اور اس کے فوت ہونے کے بعد ان ورثا کو اس کے ترکہ سے حصص دے کر تقسیم کی جاتی، اور ان کی موت میں طبقات کی موت کی ترتیب کا لحاظ رکھا جائے گا۔

دفعہ ۷۷۔ جبکہ میت نے کسی ایسے فرد کے لیے جس کے حق میں وصیت واجب نہ تھی، وصیت واجبہ کے حصے سے زیادہ کی وصیت کر دی ہو، تو اس میں زیادتی کے بقدر وصیت

اختیاریہ کا حکم جاری ہو گا۔ لیکن اگر وصیت واجبہ کے حصے سے کم کی وصیت کی گئی ہو تو وصیت واجبہ کی مقدار کو مکمل کیا جائے گا۔

اگر وصیت واجبہ کے بعض مستحقین کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور بعض کے حق میں نہ کی گئی ہو تو وہ لوگ جن کے حق میں وصیت کی گئی ہے، اپنے حصے کے بقدر مستحق ہوں گے اور جس کے حق میں وصیت نہیں کی گئی یا کم مقدار میں کی گئی ہے، ایک تہائی ترکہ کے بقایا سے ان کا حصہ لے لیا جائے گا، اگر یہ تہائی ان کے (قانونی) حقوق کی پابجائی کے لیے کافی نہ ہو تو اس کے ساتھ وصیت اختیاریہ کا حصہ شامل کر لیا جائے گا۔

دفعہ ۷۸۔ ادائگی میں وصیت واجبہ دیگر وصیتوں پر مقدم ہو گی۔ اگر موصی نے ایسے لوگوں کے حق میں وصیت نہ کی ہو جن کو وصیت واجبہ کے ذریعے مستحق قرار دیا گیا تھا اور ان کے بر خلاف غیر افراد کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو ہر صاحب وصیت واجبہ ترکے کی ایک تہائی کے بقایا سے اپنے حصے کا مستحق متصور ہو گا۔ اگر تہائی کی بقایا ان کے حقوق کے لیے ناکافی ہو تو اس مقدار سے جو دوسروں کی وصیت میں شامل ہے، ان کے حقوق کو پورا کیا جائے گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام ابن حزم کے موقف کے مطابق وصیت واجبہ صرف پوتے پوتیوں تک میں محدود نہیں، جیسا کہ مصری قانون میں اسے انہی کے حق میں محدود کر دیا گیا ہے، بلکہ میت کے والد یا والدہ کی طرف سے دیگر غیر وارث اقربا اگر مستحق ہوں تو ان کے حق میں بھی ابن حزم کے قول کے مطابق وصیت کرنا واجب ہو گا، مثلاً اگر والدین غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وراثت کے حق سے محروم ہو رہے ہوں تو وصیت کے ذریعے ان کے لیے تعاون کی گنجائش موجود سمجھی جائے گی۔

* ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۶۳۔۱۲۶۵ بحوالہ: قانون الوصية المصري، مجریہ ۱۹۴۶ء، فصل ۶، دفعات ۷۶ تا ۷۹

بیسویں صدی کے ربع اول تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا کہ دادا یا نانا کے انتقال پر اگر اس کی اولاد میں سے کوئی بیٹا یا بیٹی اس سے پہلے یا اس کے ساتھ انتقال کر جائے تو اس مرنے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو ان کے دادا یا نانا کی وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اس مسئلے میں نہ صرف اہل سنت کے مشہور فقہی مذاہب اور شیعہ امامیہ وزیدیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ جن مذاہب اور ائمہ وفقہا کے نقطہ ہائے نظر عرصے سے غیر معروف یا صرف اہل علم کی حد تک محدود ہیں، ان میں سے بھی کسی امام، فقیہ یا مجتہد کا کوئی قول اس کے خلاف منقول نہیں۔ لیکن دور حاضر میں متعدد اسلامی ممالک میں میت کی مرحوم اولاد کی اولاد کے سلسلے میں جدید قانون سازی کی گئی اور وصیت واجبہ کے ذریعے انہیں میت یعنی دادا نانا کے ترکے سے ایک معقول حصے کا مستحق قرار دیا گیا اور اس قانون سازی کی غرض وغایت یہ بیان کی گئی کہ بسا اوقات یہ اولاد اپنے چچوں کے مقابلے میں انتہائی فقر وفاقے میں مبتلا ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب یہ میراث سے بھی محروم ہو جائے تو ناقابل بیان حد تک مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات وواقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصر اور بعض دیگر اسلامی ممالک میں قانون وصیت کے تحت "وصیت واجبہ" کے ذریعے پوتے پوتیوں کی امداد کے لیے قانون سازی کی گئی۔*

پاکستان میں قانونی صورت حال

زیر بحث مسئلے میں پاکستان میں سب سے پہلے ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک بل (مسودہ قانون) پیش کیا گیا کہ بیٹے کی موجودگی میں (یتیم) پوتے کو اور بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کو میراث کا حق دیا جائے۔ ملک گیر مخالفت کے سبب یہ بل منظور نہ ہو سکا۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے ایک عائلی قانون کمیشن قائم کیا۔ جبکہ مرکزی و

* مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۷۲

صوبائی مقننہ کو صدارتی فرمان مجریہ ۱۹۵۸ء کے ذریعے توڑا جا چکا تھا، مارشل لا کے دور میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ کے ذریعے پاکستان میں یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ "اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد کو چھوڑے جو اس کی زندگی میں فوت ہو چکا ہو تو مرحوم کی اولاد اس حصے کو پانے کی مستحق ہو گی جو ان کے باپ یا ماں کو ملتا، اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت موجود ہوتے۔" چنانچہ اس طرح پاکستان میں دیگر اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں "وصیت واجبہ" کے برخلاف پوتے پوتی اور نواسے نواسی کو اپنے باپ یا ماں (جیسی صورت ہو) کے قائم مقام کی حیثیت سے "وارث" قرار دے دیا گیا۔

اس قانون کے اسلام کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کے سلسلے میں شروع ہی سے دو نقطہ ہائے نظر پائے جاتے تھے۔ ملک کی عظیم اکثریت، جن میں تقریباً ہر مکتب فکر کے علما شامل تھے، اس نقطہ نظر کی حامل تھی کہ یہ دفعہ شرع اسلام کے منافی ہے، جبکہ ایک قلیل تعداد طبقہ جو جدید تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل تھا، اس کو شرع اسلام کے مطابق قرار دیتا رہا۔* لہٰذا مذکورہ آرڈی نینس (نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ء) کے نفاذ کے وقت ہی سے مختلف مکاتب فکر کے علما نے اس کی ان دفعات میں ترامیم کا مطالبہ کیا جو قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہیں۔ چنانچہ صدر پاکستان کی ہدایت پر اسلامی نظریاتی کونسل نے اس قانون پر غور کیا اور اس کی بعض دفعات میں ترامیم تجویز کیں۔ زیر بحث دفعہ (۴) میں کونسل کی جانب سے جو ترمیم تجویز کی گئی وہ حسب ذیل ہے:

اگر مورث کی زندگی میں اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے جبکہ مورث کا کوئی اور بیٹا یا بیٹے مورث کی وفات کے وقت زندہ ہوں تو اس لڑکے یا لڑکی کی اولاد اپنے دادا یا نانا

* ایضاً ۵: ۱۹۵۸، ۱۹۵۹

کے ترکے میں اتنا حصہ پائے گی جتنے حصے کی وصیت ان کے نانا یا دادا نے ان کے حق میں کی ہو۔ بشر طیکہ وہ وصیت مجموعی طور پر میت کے ترکے سے ابتدائی واجبات ادا کرنے کے بعد کل ترکے کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

البتہ اگر دادا یا نانا نے مذکورہ اولاد کے حق میں کوئی وصیت نہ کی ہو تو اس دادا یا نانا کے وُرثا پر لازم ہو گا کہ وہ مذکورہ اولاد کو اتنا نفقہ ادا کریں جتنا کہ عائلی عدالت متعلقہ امور پر غور کرنے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق ان کے لیے تجویز کرے۔[1]

مگر اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز پر سالہا سال تک کوئی عمل درآمد نہ ہو سکا اور بالآخر وفاقی شرعی عدالت نے اسی سلسلے کے ایک کیس کی سماعت کرتے ہوئے ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء کو یہ فیصلہ دیا:

بحث و تمحیص کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس بابت ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسے اقدامات کریں جن سے اس قانون میں تبدیلی کر کے اس سلسلہ میں ایسا قانون سامنے لایا جائے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ نیز عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ ۴، جو اسلامی تعلیمات کے مخالف قرار پائی ہے، ۱۳ مارچ ۲۰۰۰ء سے کالعدم متصور ہو گی۔[2]

نیز فاضل عدالت نے یتیم پوتے پوتیوں کے معاشی مسائل کو، دیگر اسلامی ممالک کی طرح، وصیت واجبہ کے ذریعے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:

۱۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ، بابت ۱۹۷۸۔ ۱۹۷۹ء، ص ۷۵

۲۔ The All Pakistan Legal Decisions, 2000 , 52:48

۱۔ قرآنی تعلیمات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ یتیم پوتے پوتیاں جو اپنے دادا، نانا کی وراثت سے محروم ہیں، وصیت کے ذریعے انہیں بھی میت کے ترکے سے حصہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ یتیم پوتے پوتیاں اپنے دادا نانا کی وراثت سے بغیر کسی ملامت کے اسی طرح فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں جس طرح ان کے چچا چچیاں اپنے باپ کے ترکے سے بطور وارث فیض یاب ہونے کے حق دار ہیں۔

۳۔ اس سلسلے میں یہ قانون سازی بھی کی جا سکتی ہے کہ اگر مرنے والے نے پوتے پوتیوں کے لیے وصیت نہیں کی، تو میت کے کل ترکے سے ایک تہائی مال کی حد تک بطور وصیت انہیں دلایا جائے گا اور اسے ان کے دادا نانا کی طرف سے وصیت تصور کیا جائے گا، بشر طیکہ وہ تہائی مال اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو مقدار دادا، نانا کی مرحوم اولاد کو زندہ ہونے کی صورت میں بطور وراثت ملنی تھی۔ *

لیکن جیسا کہ میراث کے حصے میں بیان ہوا، وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف وفاق پاکستان کی طرف سے اپیل دائر کی گئی، جو تاحال سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں زیر سماعت ہے۔

* ایضاً

باب ۳

وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ اور اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

- موصی (Testator): وصیت کرنے والا۔
- موصیٰ لہ (Legatee): وہ شخص یا کام جس کے لیے وصیت کی جائے۔
- موصیٰ بہ (Subject Matter): وہ مال جس کے بارے میں وصیت کی جائے۔
- موصیٰ الیہ (Administrator): جو شخص موصی کی وفات کے بعد اس کے قائم مقام کی حیثیت سے وصیت کے اجرا و تعمیل کے لیے مقرر ہو، اسے 'وصی' یا 'موصیٰ الیہ' کہا جاتا ہے۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مختلف فقہی مسالک کی رو سے وصیت کے ارکان کون کون سے ہیں۔

حنفی فقہا کے ہاں وصیت کا صرف ایک رکن ہے۔ امام زفر کے مطابق یہ رکن موصی کی جانب سے ایجاب ہے (یعنی یہ کہنا کہ میں فلاں چیز کی وصیت کرتا ہوں)، جبکہ موصیٰ لہ کی جانب سے قبول کرنا وصیت کا رکن نہیں، بلکہ نفاذ کے لیے شرط ہے۔ یہی قول حنفی فقہا کے ہاں راجح مانا جاتا ہے۔ انہوں نے موصیٰ لہ کو وارث پر قیاس کیا ہے کہ دونوں کو ملکیت موت کے باعث منتقل ہوتی ہے اور وارث کی ملکیت قبولیت کی محتاج نہیں؛ لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے اختیار کی گئی کہ موصیٰ لہ کی ملکیت بھی قبولیت کی محتاج نہیں۔

کاسانی کہتے ہیں کہ حنفیہ کے تینوں ائمہ کے ہاں باقی تمام عقود کی طرح وصیت کے بھی دو ہی ارکان ہیں: "ایجاب اور قبول" چونکہ انسان بغیر سعی وقبول کے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا۔ اگر وہ قبول نہ کرے گا تو اس کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، بخلاف میراث کے کہ اس میں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں وصیت کے برعکس قبولیت کی شرط نہیں۔[1]

بعض معاصر اہل علم نے امام زفر کی رائے کو قیاس مع الفارق قرار دیتے ہوئے اس دوسرے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔[2]

قبول کی شرط یہ ہے کہ وہ موصی کی موت کے بعد ہی کارگر ہوتا ہے۔ اگر موصیٰ لہ موصِی کی موت کے بعد قبول کرے تو موصیٰ بہ (وصیت کردہ مال) اس کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا، چاہے وہ اسے اپنی تحویل میں لے یا نہ لے۔ اگر موصیٰ لہ موصِی کی موت کے بعد بلا قبول ورد مر جائے تو موصیٰ بہ اس کے وُرثا کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اگر وہ اپنی زندگی میں قبول یا رد کر چکا ہو تو وہ باطل قرار پائے گا۔[3]

جمہور کے نزدیک وصیت کے ارکان چار ہیں:[4]

۱۔ موصی (وصیت کرنے والا)   ۲۔ موصیٰ لہ (جس کے لیے وصیت کی جائے)

۳۔ موصیٰ بہ (مال)   ۴۔ صیغہ (ایجاب وقبول)

۱۔ بدائع الصنائع، دارالحدیث، قاہرہ ۲۰۰۵ء، ۱۰: ۵۰۲

۲۔ ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۳۳

۳۔ قدری پاشا، مرشد الحیران، دفعہ ۹۳؛ الفقہ الإسلامي وأدلته ۸: ۲۲-۲۳

۴۔ الفقہ الإسلامي وأدلته ۸: ۲۳

وصیت کرنے کے طریقے

وصیت تین طریقوں سے منعقد ہو سکتی ہے:

۱۔ بذریعہ زبانی الفاظ   ۲۔ بذریعہ تحریر   ۳۔ بذریعہ اشارہ

۱۔ بذریعہ زبانی الفاظ

فقہا کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ وصیت صریح الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میں فلاں کے لیے وصیت کرتا ہوں۔" اسی طرح لفظ غیر صریح سے بھی (جو قرینہ کے باعث وصیت سمجھا جا سکے) وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ مثلاً "میری موت کے بعد فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہو گا۔"[1]

۲۔ بذریعہ تحریر

تحریری وصیت کے معتبر ہونے میں فقہا کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔[2] البتہ تحریری صورت میں وصیت ایسا شخص کرے جو بولنے کی سرے سے طاقت ہی نہ رکھتا ہو (گونگا ہو) یا اسے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہو کہ بول نہ سکتا ہو اور یہ امید نہ ہو کہ وہ موت تک کبھی گفتگو کے قابل ہو سکے گا۔ تحریری وصیت اس شخص کے لیے بھی بعض صورتوں میں جائز ہے، جو بول سکتا ہو، اس بارے میں مختلف فقہی مذاہب کی آرا درج ذیل ہیں:

حنبلی فقہا کے ہاں تحریری وصیت اس صورت میں جائز ہو گی جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ تحریر موصی ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، یا اس پر کوئی ثبوت مل جائے جو یہ بات ثابت کرے کہ تحریر موصی ہی کی ہے۔

۱۔ الفقہ الإسلامي وأدلته ۸: ۲۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴، ۲۵

حنفی اور مالکی فقہا کے نزدیک جب ایک شخص اپنے ہاتھ سے وصیت لکھ کر اس پر گواہ بنائے اور ان سے یہ کہے کہ جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا اس پر تم گواہ ہو تو یہ جائز ہو گا۔

شافعی فقہا تحریری وصیت درست ہونے کے لیے یہ بھی شرط عائد کرتے ہیں کہ موصی گواہوں کو اپنی وصیت سے مطلع کرے (جو اس نے تحریر کی ہے) پھر اس پر ان کو گواہ بنائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وصیت منعقد نہیں ہو گی۔

۳۔ بذریعہ اشارہ

اشارے کے ذریعے گونگے، اور مرض کے باعث بولنے سے عاجز شخص کی وصیت منعقد ہو جائے گی، لیکن صرف اس صورت میں جب وہ لکھنا نہ جانتا ہو اور اشارہ کا مفہوم و مطلب واضح ہو۔ اگر لکھنا جانتا ہو تو اسے تحریری وصیت کرنا ہو گی، کیونکہ وہ زیادہ واضح ہوتی ہے۔

موصیٰ لہ کے ردّ اور قبول کا مسئلہ

ا۔ موصیٰ لہ کو ردّ و قبول کا اختیار موصی کی موت کے بعد حاصل ہوتا ہے

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقدِ وصیت میں دوسرے عقود (contracts) کی نسبت یہ فرق ہے کہ اس میں ملکیت موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، زندگی میں نہیں۔ اس لیے موصیٰ لہ کی جانب سے وہ 'قبول' قابل اعتبار ہو گا جو موصی کی موت کے بعد ہو۔ اور اگر "قبول" موصی کی زندگی میں کیا گیا ہو تو اس "قبول" کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس وقت تو موصیٰ لہ کا حق ابھی ثابت ہی نہیں ہوا تھا۔ اسی لیے جمہور فقہا کے نزدیک اگر موصیٰ لہ موصی کی زندگی میں اس کی وصیت کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ موصی کی موت کے بعد موصیٰ لہ کا یہ حق باقی تسلیم کیا

جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے حق میں کی گئی وصیت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ قبول نہ کرے تو پھر اس کا انکار معتبر تسلیم کیا جائے گا۔[1]

۲۔ ردّ و قبول میں تاخیر بھی کی جا سکتی ہے

اسی طرح فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ موصی کی موت کے بعد یہ ضروری نہیں کہ موصیٰ لہ فوری طور پر وصیت کے قبول یا رد کرنے کا فیصلہ دے، بلکہ اسے اس سلسلے میں مہلت حاصل ہو گی خواہ اس کی مدت طویل ہو جائے؛ کیونکہ عقدِ وصیت عام عقود سے مختلف ہے۔ البتہ شافعی اور حنبلی فقہ میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد وصیت کو نہ قبول کرے اور نہ ہی ردّ کرے تو ورثا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ موصیٰ لہ سے اس کا مطالبہ کریں کہ وہ وصیت کو یا قبول کرے یا اسے ردّ کرے ورنہ اس پر ردّ کا حکم لگایا جائے گا اور وصیت کو باطل قرار دے دیا جائے گا۔[2]

وصیت کے ردّ و قبول میں کتنی تاخیر جائز ہے؟ اس سلسلے میں بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ عدالت کی صواب دید پر منحصر ہو گا۔[3]

۳۔ موصیٰ لہ کا قبول کرنے کے بعد رجوع

موصیٰ لہ وصیت کو قبول کرنے کے بعد اسے رد کر دے تو اس کا یہ رد کرنا معتبر ہو گا؟ فقہا کے ہاں اس سلسلے میں درج ذیل تین آرا پائی جاتی ہیں:

ا۔ جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ اگر موصیٰ لہ نے وصیت کو موصی کی موت کے بعد قبول کر لیا تو پھر اس قبول کے بعد وہ اس سے رجوع کا حق نہیں رکھتا، خواہ موصیٰ بہ اس کے قبضہ میں آ گئی ہو یا نہ آئی ہو بلکہ قبول کے بعد وصیت صحیح اور قابلِ نفاذ ہو جاتی ہے۔[1]

۱۔ ابن عابدین، ردّ المحتار ۵: ۴۲۱؛ خطیب، شربینی، مغني المحتاج ۳: ۵۳

۲۔ مغني المحتاج ۵: ۵۳؛ بہوتی، کشاف القناع ۴: ۳۴۴

۳۔ مجموعہ قوانین اسلام ۴: ۱۲۳۰

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ موصیٰ لہ اگر موصیٰ بہ کو قبضہ میں لینے کے بعد رد کرے تو پھر اس کے رد کا اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں۔ یہ رائے بعض شافعی اور حنبلی فقہا کی ہے۔[۲]

۳۔ تیسری رائے بعض حنبلی فقہا کی ہے کہ موصیٰ بہ اگر ناپی تولی جانے والی اشیا ہیں، تو ان کی بابت کی گئی وصیت کو قبول کرنے اور ان اشیا کو قبضہ میں لینے سے پہلے رد کا اختیار ہے۔[۳]

۴۔ رد یا قبول کا اختیار کس قسم کے موصیٰ لہ کو حاصل ہوگا؟

اگر موصیٰ لہ متعین فرد ہو اور مکمل اہلیت رکھتا ہو تو چونکہ وہ اپنی ذات کا خود ولی ہے، اس لیے صرف اسی کا رد یا قبول معتبر ہوگا۔ اگر موصیٰ لہ غیر متعین ہوں یا کوئی جماعت ہو جیسے فقرا، مساکین وغیرہ اس صورت میں کی گئی وصیت موصی کی جانب سے نافذ ہو جاتی ہے اور انکار یا قبول کا اس میں چونکہ کسی کو اختیار نہیں ہوتا اس لیے انکار یا قبول کا کوئی اعتبار نہیں۔[۴]

اگر موصیٰ لہ "مجور" ہو (یعنی وہ شخص جسے کسی وجہ سے اپنے مال میں تصرف سے روکا گیا) ہو تو پھر اس کا ولی چونکہ اس کے امور کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لیے ولی کا قبول یا رد معتبر ہوگا، بشرطے کہ ولی کا فیصلہ 'مجور' کے مفاد میں کیا گیا ہو۔ اور اگر ولی نے اس کے مفاد کا لحاظ نہ کیا تو حاکم یا عدالت کو اس میں مداخلت کا حق حاصل ہوگا۔[۵]

۱۔ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۳؛ حاشیۃ الدسوقی ۴: ۴۲۴؛ رملی، نهایة المحتاج ۶: ۶۲؛ مرداوی، الإنصاف ۷: ۱۰۵

۲۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵؛ مغني المحتاج ۳: ۵۳

۳۔ الإنصاف ۷: ۱۰۵

۴۔ رد المحتار ۵: ۴۱۶؛ کشاف القناع ۴: ۴۴

۵۔ مصطفی سیوطی، مطالب اولی النهیٰ ۴: ۴۵۹؛ مغني المحتاج ۳: ۵۳

۵۔ موصیٰ لہ کی موت کے موصیٰ بہ کے رد و قبول پر اثرات

موصیٰ لہ اگر متعین شخص ہو تو اس صورت میں زیر بحث مسئلہ کی درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ موصیٰ لہ موصی کی موت سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی فوت ہو جائے تو فقہا کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں اس کے حق میں کی گئی وصیت باطل قرار پائے گی۔

۲۔ اگر موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد فوت ہو اور اس نے وصیت کو قبول کیا ہو نہ رد، تو اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک از روے استحسان یہ وصیت قابل نفاذ قرار پائے گی۔[۱] جمہور فقہا کی رائے میں ایسی وصیت موصیٰ لہ کے وُرثا پر موقوف ہوگی اور انہیں اس کے رد یا قبول کا اختیار حاصل ہو جائے گا؛ کیونکہ موصیٰ لہ کے حقوق اس کی موت کے بعد اس کے وُرثا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ جمہور فقہا نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ[۲] (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے (مرتے وقت) کچھ مال چھوڑا تو وہ اس کے وُرثا کا حق ہے)۔

۱۔ رد المحتار ۵: ۴۲۱

۲۔ صحیح بخاری، کتاب في الاستقراض وأداء الديون، باب الصلاة على من ترک دینا، حدیث ۲۳۹۸

باب ۴

وصیت کے شرائط

وصیت کے کچھ شرائط ایسے ہیں جن پر وصیت کے وجود پذیر ہونے کا دارومدار ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا وصیت کے نفاذ کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوتے ہیں یا موصی لہ میں یا موصیٰ بہ میں۔ یہاں ان تمام شرائط کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

موصی (Testator) کے شرائط *

موصی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو، یعنی خود مالکانہ حقوق رکھتا ہو، اور دوسرے کو مالکانہ حقوق دے سکتا ہو اور وہ ایسا شخص ہو سکتا ہے جو عاقل، بالغ اور آزاد ہو، چاہے مرد ہو یا عورت اور چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

وہ شرائط جن کا موصی میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:

ا۔ عقل وشعور

تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت کرنے والا عقل و شعور رکھتا ہو، لہٰذا مجنون (پاگل) حالتِ جنون میں وصیت نہیں کر سکتا اور ایسی وصیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، جو حالت جنون میں کی گئی ہو۔ اسی طرح نشے کی حالت میں وصیت کرنا بھی درست نہیں۔ البتہ مجور (وہ شخص جسے قانونی طور پر اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہو) کی وصیت بالاتفاق معتبر ہو گی، کیونکہ مجور پر پابندی لگانے کا مقصد اسے زندگی میں اپنے مال کو ضائع کرنے سے باز رکھنا ہے اور وصیت کی صورت میں اس کا مال اس کی زندگی میں اس کے پاس ہی رہتا ہے۔

---

* الفقه الإسلامي و أدلته ۸: ۲۳ومابعد

۲۔ بلوغ

حنفی اور شافعی فقہا کے نزدیک بالغ ہونا وصیت کی شرائط میں سے ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں بچے کا وصیت کرنا درست نہیں، نہ ہی اس کی وصیت کا کوئی اعتبار ہے۔ چاہے بچہ عقل مند ہو یا نہ ہو، چاہے وہ تجارت کر سکتا ہو یا نہ کر سکتا ہو۔

مالکی اور حنبلی فقہا باشعور بچے کی وصیت کو درست مانتے ہیں بشرطیکہ بچہ دس سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو، کیونکہ اس کا اسلام لانا بھی معتبر اور اس کی نماز بھی درست اور قابل قبول ہوتی ہے۔ حنفی فقہا ایسے بچوں کی اس وصیت کو درست قرار دیتے ہیں، جو وہ اپنے تجہیز و کفن وغیرہ کے بارے میں کریں۔ یہ حکم حضرت عمر کی اس روایت سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے کم سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔

۳۔ آزاد ہونا

فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صرف آزاد شخص ہی وصیت کر سکتا ہے۔ غلام یا مملوک کا وصیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس لیے کہ غلام خود کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ خود اور اس کی ہر چیز اس کے مالک کی ملک ہے۔ جبکہ وصیت تو نام ہی اس کا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو اپنی ملک کا بلا معاوضہ مالک بنائے۔

۴۔ وصیت کرنے والے کا مالِ وصیت کا مالک ہونا

وصیت درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان جس چیز کے بارے میں وصیت کرے وہ اس کی اپنی ملک ہو، اس لیے کہ انسان خود جس چیز کا مالک نہ ہو، دوسرے کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

۵۔ موصی کا راضی اور اپنی بات میں سنجیدہ ہونا

ضروری ہے کہ وصیت کرنے والا اپنی آزاد مرضی اور رضا و رغبت اور خوشی سے وصیت کرے۔ وصیت کرتے وقت وہ بالکل سنجیدہ ہو، مذاق نہ کر رہا ہو۔ اگر کسی کو وصیت

کرنے پر مجبور کیا گیا ہو یا دھوکہ اور فریب سے یا اسے مجبور کر کے کسی خاص چیز کی بابت کسی خاص شخص وغیرہ کے حق میں اس سے وصیت لی گئی ہو تو ایسی وصیت درست نہ ہوگی۔

۶۔ موصی پر اتنا قرض نہ ہونا جو اس کے مال کے ایک تہائی سے زائد ہو

یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے، چنانچہ وصیت کو روبعمل لانے کے لیے ضروری ہے کہ موصی پر اتنا قرض نہ ہو جو اس کے تمام مال سے زائد ہو اور اس کا سارا ترکہ قرض کی نذر ہو جائے۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ قرض کی ادائگی وصیت پر مقدم ہے اور اس بات پر تمام امت کا اجماع بھی ہے۔ جہاں تک سورۃ النساء کی ۱۱ اور ۱۲ نمبر آیات کا تعلق ہے جن میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے آیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء۴: ۱۱] (اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو میت کی ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی (یہ حصہ اس وقت نکالا جائے گا جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو، ادا کر دیا جائے)۔

حضرت علیؓ سے مروی درج ذیل روایت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ* (حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ قرض کی ادائگی وصیت (کے نفاذ) سے پہلے کی جائے گی)۔

تاہم اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے تو پھر وصیت کو ان لوگوں کی مرضی پر موقوف سمجھا جائے گا جن سے موصی نے قرض لے رکھا تھا، اگر وہ لوگ اپنا حق چھوڑنے پر تیار ہو

* سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الدین قبل الوصیة، حدیث ۲۷۱۵

جائیں تو وصیت قابل نفاذ ہوگی، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض کی ادائگی کو وصیت پر مقدم قرار دیا ہے۔[1]

مذکورہ تفصیل سے یہ شبہہ نہ ہو کہ مقروض وصیت نہیں کر سکتا۔ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقروض وصیت کر سکتا ہے، اگرچہ وصیت کے وقت قرض اس کے تمام مال (ترکہ) کے برابر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اس کے قرض کی ادائگی کی کوئی صورت نکل آئے۔

اگر موصی کا قرض اس کے تمام ترکہ کے برابر ہو تو اس صورت میں اس کی وصیت کا نفاذ قرض کی ادائگی پر موقوف ہوگا، چاہے یہ ادائیگی مکمل قرض کی ہو یا کچھ کی، اور چاہے اس کا سبب قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے قرض دار کا قرض ادا کرے۔ اور اگر اس کا قرض کم ہو تو قرض کی ادائگی پہلے کی جائے گی اور باقی مال سے وصیت کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔[2]

مختلف لوگوں کی وصیت کی شرعی حیثیت

ذیل میں مقروض، غیر مسلم، ذمی، حربی کافر اور مرتد کی وصیتوں کی حیثیت اور حکم کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

الف۔ قرض دار کی وصیت

مقروض کی وصیت درست ہوگی۔ اگرچہ قرض اس کے تمام مال کے برابر ہو، کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع ۱۰: ۵۱۱

۲۔ الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۸: ۶۲

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر ہو، تو اس صورت میں وصیت کا نفاذ موصی کے قرض سے بری ہونے پر موقوف رہے گا۔ یہ براءت یا تو مکمل قرض سے ہو یا اس کے کچھ حصے سے۔ چاہے براءت کی وجہ قرض خواہوں کا قرض معاف کرنا ہو یا کوئی اور شخص اپنی خوشی سے مقروض کا قرض ادا کردے۔

جب قرض دار مکمل طور پر بری ہوجائے تو وصیت مکمل مال کے ایک تہائی میں سے نافذ ہوگی، لیکن اگر قرض کے کچھ حصے سے بری ہوگیا اور کچھ سے نہ ہوا تو وصیت اس مال کے ایک تہائی میں نافذ ہوگی جس سے بری ہوگیا ہے۔

اگر قرض تمام ترکہ کے برابر نہ ہو بلکہ کم ہو، تو اس صورت میں وصیت کسی کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی، بلکہ اس ایک تہائی مال سے ادا کی جائے گی جس پر قرض نہیں۔*

ب۔ غیر مسلم کی وصیت

یہاں غیر مسلم میں ذمی، حربی اور مرتد سب شامل ہیں۔

وصیت چاہے مسلمان کرے یا غیر مسلم، دونوں کی طرف سے جائز اور صحیح ہوگی؛ کیونکہ یہ نیکی کا کام ہے اور تمام مذاہب و ادیان اس کی اجازت دیتے ہیں۔ لہٰذا ذمی کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے، اور مسلمان کی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے وصیت درست ہے، اس لیے کہ وصیت کے درست ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

ا۔ ذمی کی وصیت

فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ ذمی کے لیے وصیت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ تملیک کا اہل ہوتا ہے، اور اپنے مال میں اپنی مرضی سے تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ ذمی کی وصیت بھی

* الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۸: ۶۲ (بحوالہ عیسوی، الوصیۃ، ص۶۳)

مسلمان کی طرح ترکہ کے ایک تہائی کے اندر اندر جائز ہوگی اور نافذ کی جائے گی، لیکن اگر ایک تہائی سے زائد ہو تو نافذ نہ ہوگی۔

ذمی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے جیسے ذمی کے لیے، مسلمان کے لیے یا اس شخص (مستأمن) کے لیے وصیت کرے جو امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا ہو مگر اس کا مستقل رہائشی نہ ہو۔ حنفی فقہا کے نزدیک ذمی یا مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت نہیں کرسکتا جو دار الحرب میں ہو۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک وہ اس کام کے لیے وصیت کرسکتا ہے جو اس کے مذہب میں نیکی کا کام مانا جاتا ہے، یا ہر اس کام کے لیے بھی جس کے نیک کام ہونے پر اسلام اور اس کا دین متفق ہوں؛ لیکن ان کاموں کے لیے وصیت نہیں کرسکتا جو دونوں شریعتوں میں حرام ہوں۔

۲۔ حربی کافر کی وصیت

حربی کا وصیت کرنا بھی درست ہے اور حربی کے حق میں وصیت کرنا بھی۔ لیکن اگر وہ دار الحرب میں ہو تو شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں اس حال میں بھی اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے، جبکہ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر دار الحرب میں ہو تو درست نہ ہوگی، البتہ اگر وہ امان لے کر کچھ وقت کے لیے دار الاسلام میں مقیم ہو تو درست ہوگی۔ مالکی فقہا کا موقف ہے کہ حربی کے حق میں وصیت کسی صورت درست نہیں۔*

* الدر المختار ورد المحتار ۱۰: ۳۳۴، ۳۳۵؛ بدائع الصنائع ۷: ۱۳۶؛ تبيين الحقائق ۶: ۱۸۴؛ الشرح الصغير ۴: ۵۸۱؛ مغني المحتاج ۳: ۴۳؛ المغني ۶: ۱۰۴؛ كشاف القناع ۴: ۳۹۰؛ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۶۲- ۶۴

۳۔ مرتد کی وصیت

مرتد ایسا شخص ہے جو دین اسلام سے پھر جائے، چاہے کوئی اور دین اختیار کرلیا ہو یا سرے سے ملحد اور لادین ہوگیا ہو۔ ایسے شخص کو توبہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ حنفی فقہا کے ہاں مرتد مرد کو تو قتل کیا جائے گا جبکہ عورت کو نہیں۔

شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک مرتد کی وہ وصیت درست مانی جائے گی جو کسی حرام کام کے لیے نہ ہو، مثلاً کسی مسلمان کا شراب اور خنزیر سے فائدہ اٹھانا؛ لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی وصیت موقوف رہے گی، چنانچہ اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آیا تو درست ہوگی اور اس کا نفاذ بھی ہوگا، ورنہ باطل ہو جائے گی۔

حنفی فقہا مرتد مرد و عورت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مرد کے بارے میں ان کی رائے جمہور کے مطابق ہے، جبکہ مرتد عورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی وصیت درست ہوگی اور اس کا نفاذ بھی ہوگا، کیونکہ حنفیہ کے ہاں مرتد عورت کو بطور حد قتل نہیں کیا جاتا۔

موصیٰ لہ (Legatee) کے شرائط

وہ شرائط جن کا موصیٰ لہ میں پایا جانا ضروری ہے، درج ذیل ہیں:*

۱۔ موصیٰ لہ خود معصیت یا اس سے معصیت کی وصیت نہ کی ہو

اگر موصی مسلمان ہے تو وصیت کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ موصیٰ لہ کوئی بذات خود معصیت یا معصیت یعنی کسی گناہ کی وصیت نہ کی گئی ہو، ورنہ وصیت باطل قرار پائے گی۔ مثلاً شراب اور رقص وسرور کی محفلیں منعقد کرنے کی وصیت، میت پر نوحہ کرنے

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۳۶ ومابعد

کی وصیت، کلیسا کی تعمیر و مرمت وغیرہ کی وصیت۔ قبر پر گنبد یا مزار تعمیر کرنا بھی شرعی طور پر محل نظر ہے، اس لیے فقہا نے ایسی وصیت کو بھی اس زمرے میں شامل کیا ہے۔

۲۔ موصیٰ لہ کا موجود ہونا

ضروری ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہو یا وجود میں آنے والا ہو؛ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو معدوم شے کے لیے وصیت کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ وصیت "تملیک" ہے؛ اور تملیک معدوم شخص یا چیز کی صورت میں ناممکن ہے۔ لہٰذا جمہور فقہا کے ہاں مردہ کے لیے وصیت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر موصی کو اس بات کا علم ہو کہ موصیٰ لہ کی وفات ہو چکی ہے تو ایسی وصیت جائز ہو گی اور تملیک کے اہل میت کے وُرثا ہوں گے، جبکہ اس کا قرض ادا کیا اور اس کی وصیت پوری کی جا چکی ہے۔

- **حمل کے بارے میں وصیت اور حمل کے لیے وصیت**

حمل سے متعلق وصیت دو قسم کی ہو سکتی ہے: یا تو وہ حمل کے بارے میں کی جائے گی یا حمل کے لیے کی جائے گی؛ یعنی حمل یا تو موصیٰ بہ ہو گا یا پھر موصیٰ لہ۔

- حمل کی وصیت (بطور موصیٰ بہ)

اگر یہ حمل موصی کی ملکیت ہو تو وصیت صحیح ہو گی، یعنی کہ یہ حمل موصی کے کسی جانور مثلاً گائے، گھوڑے، بکرے وغیرہ کا ہو، جس کا وہ مالک ہے۔ اگر یہ زندہ وجود میں آیا اور اس کا وصیت کے وقت موجود ہونا معلوم ہو گیا ہو تو وصیت درست ہو گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو وصیت درست نہ ہو گی۔ اگر یہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ *

* ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

- حمل کے لیے وصیت (بطور موصیٰ لہ)

حمل کے لیے وصیت بھی بالاتفاق درست ہو گی۔ اس لیے کہ وصیت میراث کی طرح ہے اور حمل (بچہ) میراث پانے کا اہل ہے، لہٰذا وہ وصیت (موصیٰ بہ) پانے کا بھی حق دار ہے، بشرطیکہ ماں اس بچے کو (وصیت کے وقت سے شمار کرتے ہوئے) چھ ماہ کے اندر اندر زندہ جنم دے، جو حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وقت موصی کی موت کے وقت سے شمار کیا جائے گا، نہ کہ وصیت کے وقت سے۔ لیکن اگر مردہ پیدا ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ میراث کا حق دار نہیں ہوتا۔[1]

مالکی فقہا کی رائے اس شرط کے بارے میں مختلف ہے۔ ان کے ہاں معدوم کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ ان کے ہاں اُس کے لیے وصیت کرنا بھی جائز ہے جو بعد میں وجود میں آنے والا ہو، چاہے وہ وصیت کے وقت موجود ہو یا موصی کی موت تک ابھی وجود میں نہ آیا ہو۔ مگر راجح رائے جمہور ہی کی ہے، کیونکہ معدوم کو تملیک کا اہل قرار دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں طویل عرصہ تک مال روک کر رکھنا پڑے گا، صرف اس کے انتظار میں جسے مستقبل میں وجود پذیر ہونا ہے۔[2]

۳۔ موصیٰ لہ کا معلوم ہونا

موصیٰ لہ کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ وہ معلوم یا متعین شخص یا چیز ہو۔ اس لیے کہ موصیٰ لہ سے لاعلمی موصیٰ بہ کو اس کے سپرد کرنے میں مانع ہو گی۔ چونکہ وصیت موت کے بعد نافذ ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت موصیٰ لہ معلوم و متعین ہو، تاکہ اس کے لیے ملکیت ثابت ہو سکے اور موصیٰ بہ اس کے سپرد کیا جا سکے۔ مثلاً اگر موصی یہ کہے کہ فلاں

۱۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹
۲۔ ایضاً، ص ۳۸، ۳۹

دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت نافذ نہ ہو سکے گی۔ اس لیے کہ موصی کی مراد واضح نہیں ہے کہ وہ دو میں سے مال کس کو دینا چاہتا ہے۔

البتہ اگر یہ کہے کہ میرا اتنا مال مسلمان فقرا و مساکین یا ناداروں کے لیے ہے تو یہ درست ہو گا۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا ہے۔ یعنی موصیٰ بہ اللہ کے لیے ہو جائے گا، اور اللہ نے غربا و مساکین کو اس کا مالک بنا دیا ہے۔

۴۔ موصیٰ لہ تملیک کا اہل ہو

تملیک کا اہل کون ہوتا ہے؟ یہ موصی کے شرائط میں گزر چکا ہے۔ موصیٰ لہ کے لیے یہ شرط باتفاق علما ثابت ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی جانور کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے، تو حنفی، شافعی اور مالکی فقہا کے ہاں ایسی وصیت باطل ہو گی۔ اس لیے کہ وصیت کا لفظ تملیک کے لیے ہوتا ہے اور جانور وغیرہ کو کسی چیز کا مالک نہیں بنایا جا سکتا؛ لیکن حنفی فقہا کی رائے کے مطابق اگر کوئی یہ کہے کہ میں فلاں جانور کے لیے اتنے مال کی وصیت کرتا ہوں تو یہ درست ہو گا۔ ایسی صورت میں ان کے ہاں قبولیت کی شرط ختم ہو جائے گی، اس لیے کہ جانور قبول نہیں کر سکتا، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ یہ وصیت اس جانور کے چارے وغیرہ کے لیے ہے، تو ایسی وصیت درست ہو گی۔ اس صورت میں حنفی اور حنبلی فقہا کے نزدیک قبولیت کی شرط ساقط ہو جائے گی، البتہ شافعی فقہا کے نزدیک قبول کی یہ شرط جانور کے مالک کو پوری کرنی ہو گی۔*

۵۔ موصیٰ لہ وصیت کنندہ کا قاتل نہ ہو

اس بارے میں فقہا کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں:

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۲

۱۔ اگر موصیٰ لہ وصیت کرنے والے کو قتل کر دے تو وہ وصیت کردہ مال (موصیٰ بہ) کا ہرگز حق دار نہیں ہو گا، چاہے قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہو یا غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ یہ حنفی فقہا کی رائے ہے۔ حنبلی اور شافعی فقہا کے ہاں بھی ایک قول ایسا ہی نقل ہوا ہے۔

حنفی فقہا نبی اکرم ﷺ کی حدیث: لیس لقاتل میراث[1] (قاتل کے لیے وراثت نہیں) کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جس طرح وارث بننے والا اپنے مورِّث کو قتل کرنے کی صورت میں وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اسی طرح موصیٰ لہ نے اگر موصی کو قتل کر دیا تو وہ وصیت کا حق دار نہیں رہے گا۔

چونکہ وصیت کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہوتا ہے، اس لیے ایسے قتل سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ موصیٰ لہ نے مال وصیت جلد حاصل کرنے کی خاطر یہ قتل کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس پر یہ فقہی قاعدہ لاگو ہو گا: من استعجل شيئا قبل أوانه عوقب بحرمانه[2] (جو کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے لینے کی جلدی کرے گا، اسے سزا کے طور پر اس سے محروم رکھا جائے گا)۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قاتل وصیت میں اپنے استحقاق سے محروم نہیں ہوتا، چاہے وہ وصیت سے پہلے قتل کرے یا بعد میں۔ یہ شافعی فقہا کی رائے ہے۔ اس کے لیے ان کے ہاں جو استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ وصیت کسی دوسرے کو اپنے مال کا مالک بنانا ہے اور اس میں قبول کی ضرورت رہتی ہے، لہٰذا یہ ہبہ اور عقد بیع کی طرح ہے۔ جس طرح یہ دونوں عمل قتل کے باعث باطل نہیں ہوتے، اسی طرح وصیت بھی باطل نہیں ہو گی۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب القاتل لا یرث، حدیث ۲۶۴۶

۲۔ ابن سبکی، الأشباه والنظائر ۱: ۱۶۸؛ ابن نجیم، الأشباه والنظائر ۱۵۸

۳۔ تیسری رائے اکثر مالکی فقہا کی ہے۔ ان کے ہاں قتل کی دو صورتوں کے احکام مختلف ہیں۔ اگر قتل وصیت کے بعد کیا گیا اور موصی اقدام قتل کے بعد کچھ دیر زندہ رہا، مگر اس کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قتل کس نے کیا، اور اس نے وصیت میں تبدیلی بھی نہ کی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

اگر موصی کو مرنے سے پہلے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر حملہ کرنے والا موصیٰ لہ ہے، پھر اس نے نہ تو وصیت میں تبدیلی کی نہ اس سے رجوع کیا، تو وصیت درست قرار پائے گی۔

ان تمام آرا میں سے راجح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ قاتل کو سزا کے طور پر وصیت سے محروم کر دیا جائے اس لیے کہ قاتل میراث سے بھی حصہ نہیں لے سکتا اور وصیت میراث ہی کی طرح ہے۔[1]

۶۔ موصیٰ لہ، موصی کا وارث نہ ہو

جمہور فقہا کے نزدیک یہ شرط وصیت کے نفاذ سے تعلق رکھتی ہے نہ اس کے انعقاد سے۔ اس شرط کے بارے میں بھی فقہا کے ہاں تین آرا پائی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگی، چاہے باقی ورثا اس کی اجازت دے دیں۔ یہ رائے داؤد ظاہری، امام مالک اور بعض حنبلی فقہا کی ہے۔ یہ حضرات اپنے موقف کے حق میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث[2] (اللہ تعالی نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو اب وارث کے لیے وصیت نہیں ہے)۔

۱۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۳، ۴۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب الوصية بالثلث، حدیث ۲۷۱۳

ان کا استدلال یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث صریح طور پر وارث کے لیے وصیت کا ناجائز ہونا بتلاتی ہے، اس لیے کہ ہر وارث کے لیے ترکے میں واضح طور پر حصہ متعین کر دیا گیا ہے۔

داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے چونکہ وارث کو وصیت میں حق دار بنانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا وُرثا کے لیے یہ جائز نہیں کہ ایسی چیز کو جائز قرار دیں جو اللہ تعالی نے ناجائز ٹھہرائی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ جب وصیت کی جائے تو وہ صحیح ہوگی، لیکن اس کا نفاذ باقی وُرثا کی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہے گا۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہو جائے گی۔ یہ رائے حنفی فقہا کی ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے: لا تجوز الوصية لوارث إلا أن يشاء الوَرَثة[1] (وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ [باقی] وُرثا اس کی اجازت دیں)۔

دوسری حدیث میں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: لا وصية لوارث إلا أن يجيز الورثة[2] (وارث کے لیے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ باقی وُرثا نافذ اور درست قرار دیں)۔

ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی، چاہے موصیٰ بہ کی مقدار کچھ بھی ہو، سوائے اس کے کہ باقی وُرثا اجازت دے دیں۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو وصیت باطل ٹھہرے گی اور اگر بعض نے اجازت دے دی اور بعض نے

۱۔ بیہقی، السنن الکبری، کتاب الوصایا، باب نسخ الوصية للوالدين والأقربين الوارثين، حديث ۱۲۲۳۰

۲۔ نیل الأوطار ۶: ۴۰؛ بحوالہ دار قطنی، حدیث ۴۲۵۳

اجازت نہ دی تو صرف انہی کے حصے میں سے ادا کی جائے گی جو اجازت دے دیں اور باقیوں کے حصے میں سے باطل ہو جائے گی۔

لیکن اجازت کے صحیح ہونے کے لیے دو شرطیں پائی جانی ضروری ہیں: ایک یہ کہ اجازت دینے والا وارث عاقل، بالغ ہو، مرض الموت کی حالت میں نہ ہو، اور اچھی طرح جانتا ہو کہ وصیت کس چیز کے بارے میں کی گئی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اجازت موصی کی وفات کے بعد دی جائے۔ چنانچہ موت کے بعد اگر وُرثا نے یہ کہا کہ ہم اجازت نہیں دیتے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ زندگی میں دی جانے والی اجازت معتبر نہیں۔ اجازت وہی وارث دیں گے جو موصی کی وفات کے وقت وارث ہوں۔ اگر کوئی شخص وصیت کے وقت تو وارث تھا مگر بعد میں کسی وجہ سے وارث نہیں رہا، تو وہ اجازت دینے کا حق دار نہیں، اور اگر وصیت کے وقت وارث نہ تھا مگر موت کے وقت وارث بن گیا ہو تو اجازت دینے کا اہل ہے۔[1]

۳۔ تیسری رائے جعفری اور زیدی فقہا کی ہے، جو یہ ہے کہ وصیت وارث کے لیے بھی ہر صورت میں جائز ہے، چاہے وُرثا اجازت دیں یا نہ دیں۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوٰلِدَيْنِ وَالاَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرۃ۲: ۱۸۰] (تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگا ہو اور پیچھے مال چھوڑ جائے تو والدین اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کی وصیت کر جائے)۔ وصیت کا صرف واجب ہونا منسوخ ہو گیا ہے، جبکہ وارث کے لیے وصیت کا جائز ہونا ابھی بھی باقی ہے۔[2]

۱۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴۷-۵۰

۲۔ ایضاً، ص ۴۹

۷۔ موصیٰ لہ حربی کافر یا مرتد مسلمان نہ ہو

یہ حنفی فقہا کی رائے ہے اور وہ قرآن مجید کی یہ آیت اس کے لیے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [الممتحنۃ ۶۰: ۹] (اللہ تعالیٰ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے)۔

مال وصیت کے ذریعے حربی کو تقویت اور فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ مال مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو، اور اس صورت میں مالِ وصیت صدقہ نہیں رہے گا بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا، لہٰذا حربی کافر کے لیے وصیت ناجائز ہو گی۔[1]

اسی طرح احناف کے ہاں مرتد مسلمان کے لیے بھی وصیت ناجائز ہے، لیکن شافعی اور حنبلی مرتد کے لیے وصیت کو درست قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان ایسے حربی کے لیے وصیت کرے جس نے اس پر احسان کیا ہو، تاکہ اس کے احسان کا بدلہ اتار سکے۔[2]

اس کے علاوہ یہ حضرات وصیت کو ہدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بھی حربی کافر کے لیے وصیت جائز قرار دیتے ہیں اور کافر کے لیے ہدیہ جواز کے حق میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں: عن أسماء بنت أبي بكر - رضي الله عنها - قالت: أتتني أمي راغبة في عهد

۱۔ ایضاً

۲۔ أحكام الوصية، ص ۴۸

قریش، فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم آصلها، قال: نعم* (حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میری والدہ جو مسلمان نہیں ہوئی تھیں میرے ہاں آئیں، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اس صورت میں اس کی خاطر مدارات کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اپنی ماں کی خاطر مدارات کرو)۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دار الحرب کے رہنے والوں کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے۔

موصیٰ بہ (Subject Matter) کے شرائط

موصیٰ بہ وہ چیز ہے جس کی بابت موصی وصیت کرتا ہے، اور جو موصی کی ملکیت ہوتی ہے۔ موصی اور موصیٰ لہ کی طرح اس میں بھی صحت ونفاذ کے لیے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

ا۔ موصیٰ بہ ایسا مال ہو جو ملکیت میں لینے کے قابل ہو

اس لیے کہ وصیت نام ہے تملیک کا اور تملیک مال ہی کی ہو سکتی ہے۔ موصیٰ بہ ایسا مال یا چیز ہونی چاہیے جو وراثت میں منتقل ہو سکتی ہو اور اس میں بیع وشرا وغیرہ جیسے معاہدات بھی ہو سکتے ہوں، مثلاً نقدی، روپے، پیسے، سونا، چاندی، گھر، دکانیں، زمین، جانور، لباس، گھر کا سامان وغیرہ۔ اسی طرح ایسا قرض جو موصی کا کسی کے ذمے ہو یا کسی چیز کی منفعت وغیرہ جیسے رہائش کے لیے گھر یا کھیتی باڑی والی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی وغیرہ بھی موصیٰ بہ ہو سکتی ہے۔

چیزوں کی منفعت اگرچہ حنفی فقہا کے نزدیک میراث نہیں بن سکتی، مگر اس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ زندگی میں اگر ان پر عقود ہو سکتے ہیں، تو ان کی

---

* بیہقی، السنن الکبری، باب صدقة النافلة على المشرك ۴: ۱۹۱

وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ جمہور فقہا کے ہاں منفعت میراث میں بھی منتقل ہوتی ہے، لہٰذا اس کی وصیت بھی جائز ہو گی۔

مال و جائداد کی منفعت کے بارے میں وصیت*

جیسا کہ بیان کیا گیا، جس طرح کوئی شخص اپنے مال کی کسی کے لیے وصیت کر سکتا ہے، اسی طرح مال و جائداد کی منفعت کی وصیت کرنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ مال کی منفعت سے مراد خدمت، گھر کی رہائش اور اس کی آمدن (کرایہ، وغیرہ)، زمین کی آمدن، مثلاً زرعی پیداوار یا اس سے حاصل شدہ رقم، باغوں کی آمدن اور ان کے پھل وغیرہ سے ایک تہائی مال کی وصیت کرنا جائز ہے؛ لیکن ایک تہائی منفعت کا تعین کس طرح ہو گا؟ اس بارے میں فقہا کی دو رائیں ہیں:

حنفی اور مالکی فقہا کے نزدیک اس مال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے۔ منفعت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہو گا۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی منفعت کی وصیت کرے اور ترکہ کے ایک تہائی میں گھر کا صرف آدھا حصہ آتا ہو تو موصیٰ لہ کو آدھے گھر ہی کے منافع مل سکیں گے۔ چاہے مدت انتفاع کچھ بھی ہو۔

حنبلی اور شافعی فقہا کے نزدیک منفعت کا اعتبار کیا جائے گا اور وصیت کے لیے ثلث کا تعین اس طرح ہو گا کہ جتنی مدت کے لیے منفعت حاصل کرنے کی موصی نے اجازت دی ہے، اس مدت کی منفعت کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس میں ثلث موصیٰ لہ کا حق ہو گا۔

---

* حاشية ابن عابدين ۱۰: ۳۳۲- ۳۲۸؛ تكلمة فتح القدير ۱۰: ۵۲۰- ۵۱۸؛ الشرح الكبير ۱۷: ۲۶-۳۶۴؛ مغني المحتاج ۲۵۳-۶۴؛ غاية المنتهى ۲: ۳۶۶؛ بدائع الصنائع ۶: ۳۶۲-۴۵۷

حنبلی فقہا کے ہاں ایسا صرف اس صورت میں ہو گا، جب منفعت کی مدت کا تعین موصی نے کر دیا ہو، لیکن اگر اس مدت کا موصی نے تعین نہ کیا ہو تو اس بارے میں ان کے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

ایک رائے حنفیہ اور مالکیہ کے موافق ہے کہ اصل مال (جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے) کا اندازہ لگایا جائے گا۔ اگر وہ ثلث ہو گا تو موصیٰ لہ اس سے فائدہ اٹھائے گا، لیکن اگر ثلث سے زیادہ ہوا اور وُرثا زائد کی اجازت نہ دیں تو صرف ثلث کے برابر مال کی منفعت سے فائدہ اٹھائے گا۔

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے طریقے

منفعت سے فائدہ اٹھانے کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت کو کسی اور کو کرائے وغیرہ پر دے دے، یا اگر پھل وغیرہ ہوں تو بیچ دے اور اس کے نفع سے فائدہ اٹھائے۔ دوسرا یہ کہ موصیٰ لہ اس منفعت کو خود اپنے لیے استعمال کرے۔

منفعت سے فائدہ اٹھانا وصیت کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر وصیت میں کسی خاص طریقے سے فائدہ اٹھانے کی قید نہ لگائی گئی ہو تو موصیٰ لہ کو اختیار ہے کہ جیسے چاہے اس سے فائدہ اٹھائے، چاہے تو خود استعمال کرے، مثلاً گھر میں خود رہے اور زمین پر خود کھیتی باڑی کرے اور فصل سے فائدہ اٹھائے یا پھر دونوں کو کرائے پر کسی اور کو دے دے اور خود اس کرایہ سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر موصی نے کسی مخصوص طریقے سے استعمال کی قید لگادی ہو تو اس بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر موصی قید لگا دے کہ اس گھر یا زمین کو موصیٰ لہ خود استعمال کرے، تو اس کے لیے لازم ہے کہ خود ہی استعمال کرے کسی کو کرائے / اجرت پر دینا جائز نہ

ہو گا۔ لیکن اگر یہ کہے کہ کرائے پر دے یا اس کی اجرت سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت میں موصیٰ لہ کے لیے جائز ہو گا کہ دونوں میں سے جس طریقے سے چاہے فائدہ اٹھائے۔

شافعی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ موصی لہ کو ہر طرح سے منفعت سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہے۔ چاہے موصی نے قید لگادی ہو یا نہ لگائی ہو۔

مشترکہ منفعت سے فائدہ اٹھانے کی صورت

اگر منفعت موصیٰ لہ اور موصی کے وُرثا کے مابین مشترک ہو، (مثلاً موصی نے اپنے نصف گھر کی منفعت کے بارے میں وصیت کی) یا منفعت میں دو یا دو سے زائد موصیٰ لہ شریک ہوں تو منفعت کی تقسیم تین طریقوں سے کی جاسکتی ہے۔ یہ تین طریقے درج ذیل ہیں: *

۱۔ منفعت سے حاصل ہونے والی اجرت تقسیم کی جائے۔ مثلاً گھر کرائے پر دیا جائے یا زمین پر کھیتی باڑی کرائی جائے اور جو آمدن حاصل ہو، وہ سب کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔

۲۔ اگر وہ زمین یا گھر وغیرہ جس کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہے تقسیم کیا جاسکتا ہو اور اس میں وُرثا کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچے تو اس کو تقسیم کر دیا جائے اور ہر کوئی اپنے حصے کے مال سے جیسے چاہے فائدہ اٹھائے۔

۳۔ مال کو زمانی یا مکانی اعتبار سے باری کے اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۱۱۶-۱۱۹، (بحوالہ حسن أحمد الخطيب، الفقه المقارن، ص ۲۲۱-۲۳۱؛ عیسوی احمد عیسوی، الوصية، ص ۱۳۰؛ مصطفیٰ السباعی، الوصية، ص ۱۲۶)

زمانی تقسیم: یہ کہ سارا مال یا چیز جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہے شرکا میں سے ایک شریک کو ایک مدت تک کے لیے دے دی جائے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے پھر اتنی ہی مدت کے لیے دوسرے شریک کو دے دی جائے۔

مکانی تقسیم: یہ کہ مال کو اجزا میں تقسیم کر دیا جائے۔ پھر ہر شریک اپنے جز سے کچھ مدت فائدہ اٹھائے، اس کے بعد تمام شریک اپنے اپنے اجزا آپس میں تبدیل کر لیں۔

لیکن اگر وہ منفعت ناقابل تقسیم ہو اور اس میں باری کے اصول پر عمل ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں شرکا کے لیے اس کی تقسیم قاضی کے اجتہاد پر موقوف ہوگی کہ وہ احکام شریعت کے مطابق اس میں فیصلہ کرے۔

موصیٰ لہ کا منفعت سے فائدہ حاصل نہ کر سکنا

کبھی ایسے اسباب پیش آسکتے ہیں جب موصیٰ لہ منفعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

۱۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے بعض وُرثا ہوں: ایسی صورت میں شافعی اور حنفی فقہا کہتے ہیں روکنے والے وُرثا موصیٰ لہ کو اس کا معاوضہ دیں گے۔ یہ معاوضہ اتنی مدت کے بدلے ہوگا جس میں وہ منفعت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

۲۔ جب فائدہ نہ اٹھا سکنے کا سبب موصی کے تمام وُرثا ہوں: اس صورت میں شافعی فقہا کہتے ہیں کہ موصیٰ لہ کے لیے دو چیزوں میں اختیار ہوگا۔ ایک تو یہ کہ وُرثا سے معاوضے کا مطالبہ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ اس مال کی منفعت سے اتنی ہی مدت فائدہ اٹھائے جتنی مدت وُرثا کے سبب اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا، جبکہ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اس کے لیے صرف معاوضہ ہے۔ جبکہ اس منفعت کا مزید مدت کے لیے اٹھانا کسی صورت میں بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جتنی مدت کے لیے وصیت کی گئی تھی وہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ اگر فائدہ اٹھا سکنے کا سبب وُرثا نہ ہوں بلکہ کوئی اور سبب ہو اور مدت ختم ہو جائے تو وُرثا سے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

منفعت سے متعلق وصیت کی مدت کا ختم ہونا

ایسے اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کی ملکیت وصیت کی مدت کے اعتبار سے ہوگی۔ اگر وصیت میں ان اموال سے فائدہ اٹھانے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی، اور منفعت کی صورت ایسی ہے کہ اس کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو یہ اموال وقف قرار پائیں گے اور موصیٰ لہ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اگر وصیت ایک مخصوص مدت کے لیے کی گئی ہو یا منفعت کی صورت ایسی ہو کہ وہ ایک خاص مدت کے بعد ختم ہو جائے تو یہ اموال موصی کے وُرثا کی ملکیت ہوں گے اور موصیٰ لہم ان سے مخصوص مدت تک فائدہ اٹھائیں گے جس کے بعد وُرثا ہی ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔

کیا اموال کے مالک کے لیے ان میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان میں تصرف کے بارے میں دو آرا پائی جاتی ہیں:

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال کے مالک کے لیے ان میں از خود تصرف کی اجازت نہیں ہے۔ مثلاً موصیٰ لہ سے اجازت لیے بغیر وہ انہیں بیچ نہیں سکتا اس لیے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور بیچنے کی صورت میں وہ اپنے حق سے محروم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی اجازت ضروری ہے۔

جمہور فقہا کی رائے یہ ہے کہ مالک کو ان اموال میں سے ہر طرح سے تصرف کا حق حاصل ہے مگر اس کی منفعت کا حق دار موصی لہ ہی رہے گا۔ چاہے ان اموال کا مالک کوئی بھی بن جائے۔

وہ اموال جن کی منفعت کی بابت وصیت کی گئی ہو ان کا نفقہ کس پر ہو گا؟

حنفی اور حنبلی فقہا کہتے ہیں کہ ان اموال پر جب بھی خرچ کی ضرورت ہو گی وہ موصیٰ لہ ادا کرے گا، اس لیے کہ وہ ہی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر وہ ادا نہ کرے اور مالک ادا کرے تو وہ ان اموال کی منفعت سے اتنا فائدہ اٹھا سکے گا جتنا اس نے خرچ کیا ہو۔ البتہ اگر ان اموال سے کوئی منفعت حاصل نہ ہوتی ہو، مثلاً بنجر زمین وغیرہ تو اس کا خرچہ مالک ہی پر ہو گا۔ شافعی فقہا کی رائے یہ ہے کہ چاہے منفعت حاصل ہو یا نہ اس کا خرچ مالک ہی کو ادا کرنا ہو گا۔*

۲۔ موصیٰ بہ مالِ متقوّم ہو

مال کی شریعت کی رو سے دو قسمیں ہیں:

أ۔ مال متقوّم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے جائز ہے۔

ب۔ مال غیر متقوم: ایسا مال جسے ملکیت میں لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لیے حرام اور کھانا ناجائز ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

مسلمان کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ ایسے مال کی بابت وصیت کرے جو غیر متقوم ہو، نہ ہی کسی غیر مسلم کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی مسلمان کے لیے ایسے مال کی بابت وصیت کرے۔ لیکن غیر مسلم کسی دوسرے غیر مسلم کے لیے ایسی وصیت کر سکتا ہے، کیونکہ ان کے ہاں یہ بھی مال ہی سمجھا جاتا ہے۔

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۹۳- ۹۴

حنفی فقہا کے ہاں شکاری کتوں اور دوسرے ایسے شکاری جانوروں کی وصیت کرنا جائز ہے، جنہیں انسان اپنے فائدے (یعنی شکار وغیرہ) کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔* اسی طرح شافعی فقہا کے ہاں ایسے مال کی بابت وصیت کرنا بھی جائز ہے جس سے حاصل کیا جانے والا نفع مباح ہو، چاہے وہ مال متقوم نہ ہو، مثلاً شکاری کتا، یا ایسا کتا جو حفاظتی نقطۂ نظر سے رکھا گیا ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی وصیت کرنا بھی درست ہے، اس لیے کہ اگرچہ ان کا استعمال کرنا تو جائز نہیں ہے، مگر ان سے زیور وغیرہ بنوا کر بیچ کر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ موصیٰ بہ "تملیک" کے قابل ہو، اگرچہ وصیت کے وقت موجود نہ ہو

یعنی موصیٰ بہ ایسا مال ہو جس کے بارے میں ایسا معاہدہ ہو سکتا ہو جو شرعی طور پر جائز ہو، یا وہ میراث بن سکتا ہو۔

لہٰذا مالِ منقولہ کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے سامان اور نقدی وغیرہ، اس لیے کہ بیع وشرا یا ہدیہ اور تحفہ وغیرہ کی صورت میں دوسرا شخص اس کا مالک بن سکتا ہے۔

اسی طرح کسی چیز کی منفعت کی بابت وصیت کرنا بھی درست ہے، جیسے اپنے گھر میں رہائش کی اجازت دینا یا اپنی سواری استعمال کرنے کی اجازت دینا؛ اس لیے کہ کرایہ وغیرہ کے ذریعے عارضی مدت کے لیے ان چیزوں کا مالک بنا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس پھل کے بارے میں بھی وصیت کی جا سکتی ہے جو درختوں پر آئندہ موسم میں لگے گا۔ گائے بکری وغیرہ کے بچے کے بارے میں بھی وصیت کرنا جائز ہے لیکن اگر بچہ وصیت کے وقت اپنی ماں کے بطن میں نہ ہو تو حنفی فقہا کے نزدیک ایسی وصیت جائز نہ ہو گی۔ اس لیے کہ زندگی میں موصی (معدوم ہونے کی وجہ سے) ایسے بچے کی بابت کوئی عقد یا معاہدہ وغیرہ نہیں کر سکتا۔ جبکہ

* بدائع الصنائع ۶: ۳۵۸؛ حاشية ابن عابدين ۱۰: ۲۹۹، ۳۱۲؛ ابن جُزی، القوانين الفقهية، ص۴۰۵؛ المغني ۶: ۵۹، ۶۴؛ كشاف القناع ۴: ۴۰۷- ۴۱۸

جمہور کے ہاں موصیٰ بہ کا موصی کی وفات کے وقت موجود ہونا لازم ہے، چاہے وصیت کے وقت موجود ہو یا نہ ہو۔ لیکن چیزوں کی منفعت کے متعلق یہ شرط نہیں ہے کہ وہ وصیت یا موت کے وقت موجود ہو۔

۴۔ موصیٰ بہ وصیت کے وقت موصی کی ملکیت میں ہو

یہ شرط اس بنا پر عائد کی گئی ہے کہ انسان کسی کو ایسی چیز کا مالک نہیں بنا سکتا جس کا وہ خود مالک نہ ہو۔ اگر بکر یہ کہے کہ میں زید کے مال کی بابت وصیت کرتا ہوں، تو ایسی وصیت جائز نہ ہوگی کیونکہ وصیت کے وقت وہ زید کے مال کا مالک نہیں تھا، اگرچہ بعد میں زید کا مال اس کی ملکیت میں کیوں نہ آجائے۔ اس لیے کہ یہ صیغہ (وصیت کے الفاظ) درست نہیں۔

۵۔ موصیٰ بہ شرعی طور پر حرام نہ ہو

وصیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان سے زندگی میں جو کمی کوتاہی یا گناہ وغیرہ سرزد ہوگئے ہوں وہ اس کے ذریعے ان کی تلافی کر سکے۔ جبکہ حرام کام کے لیے کی گئی وصیت کی صورت میں ایسا ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ مزید گناہ کا موجب بن جائے گی۔ ایسی وصیت کے بارے میں مختلف فقہی مذاہب میں مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں، جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

حنفی فقہ: ایسی کمائی یا کام کی وصیت کرنا جس کے لیے نوحہ کرنے والی جمع ہوتی ہیں، یا قبر کو پختہ کرنے کے لیے مال کی وصیت کرنا، یا یہ وصیت کرنا کہ میرا مال خرچ کر کے میرے لیے مہنگا کفن خریدا جائے، یا میری قبر پر قرآن پڑھنے والے کو اتنا مال دیا جائے وغیرہ۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ اسی طرح یہ وصیت کرنا کہ مجھے اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو یہ وصیت بھی باطل ہوگی۔*

* الدر المختار ورد المحتار، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۳۲۶، ۳۲۷

مالکی فقہ: مال کی بابت یہ وصیت کرنا کہ اس سے شراب پینے والا شراب خرید سکے، ایسے شخص کو دینا جو کسی کو ناحق قتل کرے، ایسی زمین میں مسجد یا مدرسہ بنانے کی وصیت کرنا جو قبرستان کے لیے وقف ہو، یا کسی کی قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کرنا؛ یہ تمام وصیتیں باطل ہوں گی۔ موصیٰ بہ میراث میں داخل ہو جائے گا اور ورثا کو اختیار ہے کہ موصیٰ بہ کو جیسے چاہیں خرچ کریں۔ لیکن حنفی فقہا کے برعکس مالکی فقہا اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنے والے کو مال دینے کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح کفن دفن وغیرہ کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا بھی درست ہے۔[1]

شافعی فقہ: گرجا گھر کے لیے وصیت کرنا، اہل حرب کے لیے اسلحہ کی وصیت کرنا، یا گناہ کے کاموں کے لیے عمارت کی تعمیر کی وصیت کرنا، جیسے شراب خانے، جوا خانے وغیرہ، آلات موسیقی وغیرہ خریدنے کی وصیت کرنا، جادو ٹونے اور گمراہی، بدعات اور الحاد پھیلانے والی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کے لیے رقم کی وصیت کرنا۔ ایسی تمام وصیتیں باطل ٹھہریں گی۔[2]

حنبلی فقہ: ان تمام کاموں پر مال خرچ کرنے کی وصیت کرنا جن سے شریعت میں منع کیا گیا ہے، مثلاً قبروں پر گنبد اور عمارتیں وغیرہ تعمیر کرنا، گرجا گھر یا آتش پرستوں وغیرہ کی عبادت گاہ تعمیر کرنا یا ان پر خرچ کرنا۔ ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہوگی، لیکن مسجد کی تعمیر و مرمت اور اس کے اخراجات کے لیے وصیت کرنا درست ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تعلیم اور دیگر جائز علوم کی تعلیم کے لیے مال کی وصیت کرنا بھی درست ہے۔[3]

۱۔ الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي ۴: ۴۲۷

۲۔ المهذب ۱: ۴۵۱

۳۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۵۶ (بحوالہ المغني، كشاف القناع...)

۶۔ موصی پر اتنا قرض نہ ہو کہ تمام مال ادا کرنے سے ہی ادا ہو

تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلی چیز مرنے والے کا قرض ادا کرنا ہے۔ اگر اس کے بعد مال بچ جائے تو وصیت اور پھر میراث کی تقسیم کی جائے گی۔ چنانچہ اگر سارا مال ہی قرض ادا کرنے کی نذر ہو جائے تو ایسی صورت میں وصیت قابل نفاذ نہیں ہو گی۔ البتہ اگر قرض خواہ وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں تو وصیت پوری کی جائے گی، ورنہ باطل ہو جائے گی۔[1] اس کی کچھ تفصیل پیچھے "موصی کے لیے شرائط" کے تحت گزر چکی ہے۔

۷۔ موصیٰ بہ (وصیت) متروکہ مال کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصیت مال کے ایک تہائی حصے سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث میں بیان ہوا۔ اگر وصیت ایک تہائی سے زائد ہو تو وہ وُرثا کی اجازت پر موقوف رہے گی (اجازت کا اعتبار کب ہو گا اور کس کی اجازت معتبر ہو گی؟ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے)۔ اس لیے کہ اگر وُرثا موجود ہوں تو ایک تہائی کے سوا باقی مال پر ان کا حق ہو گا، لہٰذا ان سے اجازت لینا ضروری ہو گا۔ لیکن اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو کسی کا حق بھی باقی مال پر نہ ہو گا، اس لیے موصی کی پوری وصیت جوں کی توں نافذ ہو گی۔

مالکی اور شافعی فقہا کہتے ہیں کہ وصیت اگر ایک تہائی مال سے زائد ہو اور میت کا کوئی وارث نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس کا متروکہ مال اب مسلمانوں کی میراث ہے اور مسلمانوں میں سے کوئی اجازت دینے والا نہیں، لہٰذا ایک تہائی سے زائد مال کے بارے میں وصیت باطل ہو گی۔[2]

۱۔ ایضاً

۲۔ المهذب ۱: ۴۸۰؛ بدائع الصنائع ۶: ۴۳۰؛ الشرح الصغير ۴: ۵۸۶

بہتر یہی ہے کہ انسان پورے مال کے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، چاہے وُرثا مال دار ہوں یا نادار۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ موصیٰ بہ ایک تہائی مال سے بھی کم ہو، اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ایک تہائی کی اجازت دی تو فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔

ایک تہائی مال اور وصیت

اگر موصیٰ لہ ایک سے زائد ہوں اور ایک تہائی ترکہ میں سے تمام وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں یا ورثا ایک تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں، مگر تمام ترکہ میں سے بھی وصیتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو ان کا نفاذ کس طرح کیا جائے گا؟

ایسی صورت میں یہ وصیت درج ذیل میں سے کسی ایک صورت کے تحت آ سکتی ہے:

۱۔ تمام وصیتیں بندوں کے لیے ہوں، مثلاً: زید، خالد، عمرو وغیرہ۔

۲۔ تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں مثلاً: حج کی وصیت / کفارہ کی وصیت وغیرہ۔

۳۔ ان میں سے کچھ بندوں کے لیے اور کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں۔

ایسی وصیتوں کے بارے میں فقہا کی آرا درج ذیل ہیں:*

- **جب وصیتیں صرف بندوں سے تعلق رکھتی ہوں**

جب کوئی شخص مختلف متعین اشخاص کے لیے وصیت کرے، اور یہ وصیت ایک تہائی سے تجاوز کر جائے جبکہ ورثا زائد مال کے بارے میں اجازت تو دے دیں، مگر وصیت ترکے سے بھی زیادہ ہو تو اس صورت میں دو حالتیں ہوں گی:

ا۔ کوئی وصیت ثلث (ایک تہائی) سے تجاوز نہ کرتی ہو، مثلاً ایک شخص کے لیے چھٹا حصہ، دوسرے کے لیے چوتھائی اور تیسرے کے لیے تہائی ہو۔ اس صورت میں ہر ایک کو

---

* المغني ۸: ۴۳۳-۴۳۴؛ حاشية ابن عابدين ۱۰: ۲۹۲

کل ترکہ کے ثلث میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ثلث کو نو پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر پہلے شخص کو دو حصے دوسرے کو تین اور تیسرے کو چار حصے دیے جائیں گے۔

ب۔ ایک ثلث سے زائد ہو۔ مثلاً ایک شخص کے لیے ایک تہائی اور دوسرے کے لیے آدھے مال کی وصیت ہو۔ اس صورت میں فقہا کے ہاں دو آرا پائی جاتی ہیں:

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے گا، اس لیے کہ اگر وصیت ثلث سے زائد ہو جائے اور وُرثا اس کی اجازت نہ دیں تو زائد مقدار باطل ہو جائے گی، لہٰذا اب دونوں وصیتیں ثلث میں سے ہوں گی اور ترکہ کا ثلث دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور باقی ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تقسیم اسی طرح ہو گی جس طرح پہلی صورت میں ہوئی، یعنی ترکہ کا ایک تہائی دونوں کے حصے کے مطابق ان میں تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ ایک ثلث میں سے ثلث پائے گا اور دوسرا نصف۔

- **جب تمام وصیتیں اللہ تعالیٰ کے لیے کی گئی ہوں**

ایسی وصیتوں کی تین صورتیں ہوں گی:

۱۔ یا تو وہ تمام ایک ہی درجہ کی ہوں گی، مثلاً تمام فرائض ہوں گے جیسے حج / زکاۃ وغیرہ۔

۲۔ یا وہ سب کی سب مختلف درجوں کی ہوں گی، مثلاً فرض، واجب، سنت وغیرہ۔

۳۔ یا ان میں سے کچھ ایک درجے کی کچھ دوسرے درجے کی ہوں گی، مثلاً دو سنت دو فرض۔

اگر یہ سب ایک ہی درجے کی ہوں، جیسے ساری ہی فرض یا ساری ہی واجب یا ساری ہی سنت ہوں، تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک پہلے وہ پوری کی جائیں جن کا میت نے پہلے ذکر کیا ہو۔ مثلاً یہ کہا کہ حج اور زکاۃ تو پہلے وہ ادا کی جائے گی۔ یا یہ کہا کہ زکاۃ اور روزے کا کفارہ تو پہلے

زکاۃ ادا کی جائے گی۔* اور اگر مختلف رتبوں / درجوں کی ہوں تو پہلے فرض پھر واجب اور پھر سنت وصیتیں ادا کی جائیں گی۔

- **جب کچھ وصیتیں اللہ کے لیے اور کچھ بندوں کے لیے ہوں**

اس صورت میں ثلث کو مساوی طور پر تمام وصیتوں کے مابین تقسیم کیا جائے گا، مثلاً حج، زکاۃ، کفارے اور زید کے لیے وصیت کی، تو اس میں سے چوتھائی حصہ حج کے لیے، چوتھائی زکاۃ کے لیے چوتھائی کفارے کے لیے اور چوتھائی زید کے لیے ہو گا۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر وُرثا ایک تہائی مال سے زائد میں وصیت کی تنفیذ کی اجازت نہ دیں تو ایک تہائی مال ہی کو ہر ایک کے حصے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، مثلاً اگر کسی نے دو وصیتیں کیں؛ ایک کے لیے نصف مال اور دوسرے کے لیے ایک تہائی کی، تو ترکہ میں سے ایک تہائی مال الگ کر کے اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ان میں سے پہلے کو تین اور دوسرے کو دو حصے ملیں گے۔

* البنایۃ ۱۳: ۴۵۸

باب ۵

وصیت کے باطل ہونے کے اسباب

وصیت کچھ اسباب و وجوہات کی بنا پر باطل ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب یا تو موصی کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا موصیٰ لہ کی طرف سے یا پھر موصیٰ بہ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:*

ا۔ موصی کو جنون طاری ہو جانا

حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر موصی کو جنون لاحق ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اگرچہ وہ موت سے پہلے صحت یاب ہو جائے۔ ایسا جنون جو وصیت کو باطل کر دیتا ہے، اس کی مدت امام ابو یوسف کے ہاں ایک ماہ سے زیادہ رہنے والا جنون ہے، جبکہ امام محمد کہتے ہیں کہ وصیت کو وہ جنون باطل کرتا ہے جو ایک سال یا اس سے زائد عرصے تک جاری رہے۔ لیکن اگر جنون ایک ماہ سے کم (امام ابو یوسف کی رائے کے مطابق) یا ایک سال سے کم (امام محمد کی رائے کے مطابق) جاری رہے تو وصیت باطل نہ ہو گی۔

جبکہ جمہور فقہا کی رائے میں جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ تملیک کا اہل ہونا معاہدے کے انعقاد کے وقت مطلوب ہے۔ اگر بعد میں یہ اہلیت کسی وجہ سے زائل ہو جائے تو معاہدہ پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

---

* البدائع ۷: ۳۹۴؛ الشرح الصغیر ۴: ۵۸۴-۵۸۶؛ مغني المحتاج ۳: ۳۹، ۷۱ وما بعد؛ كشاف القناع ۴: ۴۱۸؛ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۱۱۱ومابعد

۲۔ موصی کا مرتد ہو جانا

حنفی، شافعی اور مالکی فقہا کے ہاں موصی کے مرتد ہو جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ مالکی فقہا کہتے ہیں کہ وصیت موصیٰ لہ کے مرتد ہو جانے سے بھی باطل ہو جاتی ہے۔ حنبلی فقہا کے ہاں مرتد کی وصیت درست ہے۔

۳۔ وصیت کا پورا نہ ہونا

اگر موصی نے وصیت کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا اور وہ شرط پوری نہ ہوئی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں اس مرض میں وفات پا جاؤں یا فلاں شہر یا فلاں سفر میں مر جاؤں، تو فلاں کے لیے میرے مال میں سے اتنا حصہ ہے۔ پھر وہ اس مرض یا اس شہر یا اس سفر میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرط پوری نہ ہوئی۔

۴۔ وصیت سے رجوع

فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع کر لینے سے یہ باطل ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ عقدِ لازم نہیں اور اس کا نفاذ موصی کی موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موصی کے ایجاب سے موصیٰ لہ کا کوئی حق اس کے مال میں ثابت نہیں ہو سکتا جب تک وہ قبول نہ کرے، اور قبول موت کے بعد ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ موصی کو اختیار ہے کہ وصیت کو باقی رہنے دے یا باطل کر دے۔

فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت ایک ایسا معاملہ یا معاہدہ ہے جس میں تغیر و تبدل بھی ہو سکتا ہے اور اس سے رجوع بھی کیا جا سکتا ہے۔[1] نیز موصی کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ زندگی میں کسی بھی وقت وہ اپنی وصیت کے کسی بھی حصے یا تمام وصیت سے رجوع کر لے،

۱۔ فتح القدیر ۱۰: ۴۶۹

چاہے اس نے وصیت تن درستی کی حالت میں کی ہو یا بیماری میں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یغیّر الرجل ما شاء من وصیته* (انسان اپنی وصیت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے)۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت تحفہ یا ہدیہ ہے، جو کہ ابھی دیا نہیں گیا بلکہ موت کے بعد پورا ہو گا۔ لہٰذا اس کے پورا ہونے سے قبل اس میں ترمیم و اضافہ کرنا یا اسے ختم کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح وصیت ایجاب ہے جو کہ قبول سے ہی موصیٰ لہ کی ملکیت میں آتا ہے۔ لہٰذا اگر قبول سے قبل ایجاب کو باطل کر دیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، جیسا کہ بیع و شرا میں ہوتا ہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہو کہ قبول موصی کی وفات کے بعد ہی معتبر ہوتا ہے۔

رجوع کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ رجوع صراحۃً ہو۔ مثلاً زبان سے کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت سے دست بردار ہوتا ہوں، رجوع کرتا ہوں / چھوڑتا ہوں، باطل کرتا ہوں، یا وہ مال جس کی میں نے فلاں کے لیے وصیت کی تھی وہ اب میرے ورثا کا ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے صراحۃً رجوع شمار ہوں گی۔

اگر یہ کہے: میں فلاں کے لیے کی گئی اپنی وصیت پر نادم ہوں، یا میں نے بہت جلد بازی کی، یا ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کے لیے کی حرام ہے۔ یہ سب باتیں وصیت سے رجوع نہیں سمجھی جائیں گی۔

۲۔ وصیت سے رجوع کی دوسری صورت دلالۃً ہو گی۔ یعنی موصیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف کرے جس سے یہ سمجھا جائے کہ موصی نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ تصرف دو قسم کا ہو سکتا ہے:

* ابن ابی شیبہ، *المصنف*، کتاب الوصایا، باب الرجل یوصي بالوصیة، ثم یرید أن یغیرها، حدیث ۴۴۹۲؛ *المغنی*، کتاب الوصایا، فصل الوصیة لرجل بمعین والرجوع عنه ۶: ۵۱۶

أ- ہر ایسا تصرف جو موصیٰ بہ سے موصی کی ملکیت کو ختم کردے۔ مثلاً موصیٰ بہ کو فروخت کردینا، ہبہ کردینا، صدقہ کردینا یا مہر وغیرہ کے طور پر دے دینا۔ اگر موصیٰ بہ موصی کی ملکیت بن جائے تو اس صورت میں کیا وہ دوبارہ موصیٰ بہ تصور کیا جائے گا؟ اس بارے میں دو آرا ہیں۔ جمہور کی رائے میں ایسا ہونے سے یہ مال موصیٰ بہ تصور نہیں کیا جائے گا؛ جبکہ مالکی فقہا کی رائے میں اگر ایسا ہو گیا تو وصیت دوبارہ سے بحال ہو جائے گی۔

ب- ایسا تصرف جو وصیت سے رجوع پر دلالت کرے۔ یہ دو قسم کا ہو سکتا ہے: ایک وہ جس پر فقہا کا اتفاق ہے کہ یہ رجوع پر دلالت کرتا ہے، اور وہ ہے موصیٰ بہ کا خرچ یا ختم ہو جانا۔ مثلاً موصیٰ بہ جانور کو ذبح کر دینا، موصیٰ بہ کا کپاس سے کپڑا بُن لینا؛ یعنی ایسا تصرف جو موصیٰ بہ کی حقیقت کو بدل دے اور وہ کوئی اور چیز بن جائے۔ چاہے یہ تصرف از خود رونما ہو جائے یا موصی کی جانب سے واقع ہو۔

دوسرا تصرف وہ ہے جس میں فقہا کا اختلاف ہے کہ وہ اس سے رجوع سمجھا جائے گا یا نہیں۔ وہ یہ ہے کہ موصیٰ بہ میں کوئی ایسا تصرف واقع ہو کہ اس کے بغیر موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے سپرد نہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً کپڑے کو رنگ دینا، زمین پر گھر بنا لینا یا درخت وغیرہ اگا دینا یا آٹے کا گھی وغیرہ کے ساتھ مل جانا۔*

جمہور کہتے ہیں کہ تصرف کی یہ قسم رجوع پر ہی دلالت کرتی ہے؛ جبکہ مالکی فقہا کے ہاں ایسا تصرف اس وقت تک رجوع نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کوئی اور چیز اس بات پر دلالت نہ کرے کہ ایسا کرنے سے موصی کا مقصد وصیت سے رجوع تھا۔ مالکی فقہا موصیٰ بہ میں تصرف کرنے کو وصیت سے رجوع کے معنیٰ میں نہیں لیتے، الا یہ کہ موصیٰ بہ میں اس قدر تبدیلی آجائے کہ اصل باقی نہ رہے، یا وہ مکمل طور پر خرچ ہو جائے یا کوئی ایسا قرینہ موجود ہو

* بدائع الصنائع ٦: ٥١٥

جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ موصی کا اس فعل سے مقصد وصیت سے رجوع کرنا تھا۔ البتہ صریح قول کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے جو جمہور کی ہے۔ لیکن اگر موصی نے موصیٰ بہ میں زیادتی یا کمی کی تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا ہے۔

شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں موصیٰ بہ مکان کو منہدم کر دینا وصیت سے رجوع سمجھا جائے گا۔

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر موصیٰ بہ کسی چیز کے ساتھ اس طرح ملا دیا گیا کہ اس کی شناخت اور اصل حیثیت اور حقیقت باقی رہی تو یہ وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔

حنفی فقہا میں سے امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر موصی نے وصیت سے انکار کر دیا، مثلاً یہ کہا کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ بھی رجوع ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ انکار اس کے راضی نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا انکار سے رجوع ہی مراد لیا جائے گا۔ جبکہ امام محمدؒ اور شافعی اور حنبلی فقہا کے ہاں محض انکار وصیت سے رجوع نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ وصیت معاہدہ ہے اور معاہدے انکار سے باطل نہیں ہوتے۔ صاحب ہدایہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔*

۵۔ وصیت کو رد کر دینا

اگر موصیٰ لہ موصی کی وفات کے بعد موصیٰ بہ کو قبول کرنے سے انکار کر دے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اس وصیت کو رد کرتا ہوں، میں اس کو قبول نہیں کرتا، تو یہ مال موصی کے وُرثا کا ہو جائے گا۔

۶۔ موصی سے قبل موصیٰ لہ کی وفات

اگر موصیٰ لہ موصی سے قبل ہی وفات پا جائے تو چاروں ائمہ کی رائے یہی ہے کہ وصیت باطل ہو جائے گی، چاہے موصی کو موصیٰ لہ کی وفات کا علم ہو یا نہ ہو۔ حنفی فقہا کے

* الفقه الإسلامي وأدلته ٨: ٦٠

علاوہ باقی فقہاکے نزدیک وصیت اس صورت میں بھی باطل ہو جائے گی جب موصیٰ لہ موصی کی موت کے بعد قبول سے پہلے وفات پاجائے۔[۱]

۷۔ موصیٰ لہ کاموصی کو قتل کر دینا

حنفی اور حنبلی فقہاکے نزدیک قاتل کے حق میں وصیت باطل ہو جاتی ہے، چاہے قتل کا ارتکاب وصیت سے قبل ہو یا بعد میں۔ حتیٰ کہ اگر ورثا اجازت دے دیں (کہ وصیت نافذ کی جائے) تب بھی قاتل وصیت سے محروم رہے گا۔[۲] حنبلی فقہاکے ہاں وُرثا کی اجازت کا ذکر نہیں ملتا، نیز ان کے ہاں مختلف اقوال ملتے ہیں۔[۳] اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۸۔ موصیٰ بہ کاہلاک یاختم ہو جانا

اگر موصیٰ بہ موصیٰ لہ کے قبول سے پہلے ہلاک یاخرچ یاختم ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً کسی نے جانور کے بارے میں وصیت کی مگر وہ جانور ہلاک یاختم ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصیٰ بہ نہ رہا۔ اسی طرح کسی نے کسی چیز کے کچھ حصے کے بارے میں وصیت کی پھر یہ حصہ ختم ہو گیا، تو بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً آدھے گھر کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ آدھا حصہ منہدم ہو گیا، یا یہ وصیت کی کہ میرے جانوروں میں سے فلاں فلاں جانور فلاں کو دیے جائیں، پھر وہ جانور مر گئے تو ان تمام صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی۔

۱۔ المغنی ۸: ۴۱۵-۴۱۶

۲۔ الهداية مع شرحه البناية، دار الكتب العلمية، بيروت (۲۰۰۰)، ۱۳: ۳۹۵-۳۹۷؛ الشرح الكبير والإنصاف والمقنع، وزارت اسلامی امور سعودی عرب، ۱۹۹۸م، ۱۷: ۳۰۰- ۳۰۳

۳۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۱۱۵

باب ۶

احکام موصیٰ الیہ (وصی)[۱]

EXECUTOR/ ADMINISTRATOR

وصی کی تعریف

موصیٰ الیہ یا وصی عموماً اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو موصی اپنے فوت ہونے کے بعد وصیت کے تحت اپنے ترکہ میں تصرفات کا حق عطا کرے۔ اگر موصی نے کوئی وصی مقرر نہ کیا ہو تو عدالت کو اس امر کا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی جانب سے ترکہ کے انتظام و انصرام کے لیے کسی موزوں شخص کو وصی مقرر کر دے۔[۲] اصطلاحاً موصی کا مقرر کردہ شخص 'وصی اصلی' یا 'وصی موصی' اور عدالت کا مقرر کردہ وصی 'وصی قاضی' کہلاتا ہے۔[۳]

وصی مقرر کرنے کے لیے الفاظ

کسی کو وصی مقرر کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص لفظ کے ذریعہ وصی بنایا جائے بلکہ ہر ایسے لفظ سے وصی مقرر کرنا صحیح ہوگا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس کو موصی نے اپنی وفات کے بعد اپنے ترکے میں تصرف کا اور اپنی اولاد و اقارب کے حقوق ادا کرنے کے لیے وصی مقرر کیا ہے، مثلاً یہ کہے کہ میری موت کے بعد تم میرے وکیل ہو۔ یا میں نے اپنی اولاد کی نگرانی اپنے فوت ہونے کے بعد آپ کے سپرد کر دی، آپ میرے وصی ہوں گے، میرے مرنے کے بعد میری اولاد کی آپ حفاظت و نگرانی کریں اور ان کے لوازمات زندگی کا مہیا کرنا آپ کے سپرد ہو گا۔

۱۔ وصی سے متعلق زیادہ تر احکام ڈاکٹر تنزیل الرحمن کی کتاب مجموعہ قوانین اسلام جلد چہارم سے لیے گئے ہیں۔

۲۔ ابن نجیم، البحر الرائق ۸: ۴۵۸- ۴۵۷

۳۔ ایضاً، ص ۴۵۸

جس طرح وصی مقرر کرنے کے لیے مخصوص الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وصی صراحت کے ساتھ یہ ذمہ داری قبول کرے بلکہ اس کی طرف سے دلالۃً قبول کرنا بھی معتبر مانا جائے گا۔

وصی کا قبول یا رد کرنا

جب کسی شخص کو وصی مقرر کیا گیا اور اس نے موصی کی حیات میں اس وصیت کو موصی کے علم میں لاکر قبول کر لیا اور موصی کی موت تک اپنے اس قبول پر قائم رہا تو اب اس کا وصی ہونا اس کے ذمے لازم ہو جائے گا، اور موصی کی موت کے بعد اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے سبکدوش نہ کر سکے گا، الا یہ کہ یا تو موصی نے وصیت کے وقت بذات خود یہ شرط عائد کر دی ہو کہ وصی اپنے آپ کو معزول اور وصیت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر سکے گا، یا یہ کہ خود وصی نے قبول کے وقت اس شرط پر قبول کیا ہو۔

اگر وصی نے قبول کرنے کے بعد رد کیا تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ جس طرح موصی کے علم میں لاکر قبول کیا تھا اسی طرح علم میں لاکر رد کر دے تو یہ رد کرنا صحیح ہو گا اور وہ موصی کی موت کے بعد بحیثیت وصی کوئی تصرف نہ کر سکے گا۔ اور اگر موصی کے علم کے بغیر رد کیا، یہاں تک موصی کی موت واقع ہو گئی اور اس کو رد کا علم نہ ہوا تو ایسی صورت میں اس کا رد کرنا صحیح نہ ہو گا۔

اگر وصی نے موصی کی زندگی میں قبول کرنے یا رد کرنے سے سکوت اختیار کیا حتی کہ موصی کا انتقال ہو گیا تو موصی کی موت کے بعد وصی کو قبول کرنے یا رد کرنے کا اختیار ہو گا۔ قبول کرنے کی صورت میں اس پر منصب وصایت کی تمام ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی، ورنہ

نہیں؛ لیکن رد کرنے کی صورت میں حکم حاکم کی ضرورت ہو گی، تاکہ میت کے وُرثا کو اس کے رد کرنے سے جو ضرر پہنچتا ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔[1]

کس کو وصی مقرر کیا جا سکتا ہے؟

انسان کو اپنی حیات میں اپنے مال میں جس طرح تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ یہ حق اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کو منتقل کر دے، خواہ یہ دوسرا شخص اجنبی ہو یا موصی سے کسی قسم کا رشتہ رکھتا ہو، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ ان صفات سے متصف ہو جو شرعاً وصی میں موجود ہونی چاہییں۔ چنانچہ ایک شخص اپنی اولاد کے حق میں اپنی زوجہ کو وصی مقرر کر سکتا ہے۔

وصی مقرر کرنے میں وارث ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں۔ چنانچہ اگر ایک شخص کا بیٹا اور حقیقی بھائی یا علاتی بھائی موجود ہو اور یہ شخص بیٹے کو چھوڑ کر بھائی کو وصی مقرر کر دے تو یہ تقرر صحیح ہو گا۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں اگر بیٹے کی جگہ بیٹی ہو تب بھی بھائی کو وصی مقرر کرنا صحیح ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی باشعور مسلمان مرد یا عورت کو جو موصی کا وارث ہو یا نہ ہو وصی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ وصی کے لیے بلوغت اور فاسق نہ ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں، اس بارے میں ان کے ہاں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ مالکی اور شافعی فقہا بلوغت اور شافعی فقہا عدالت کو وصی کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔[2]

وصی کی اقسام اور اختیار

وصی کا تقرر یا تو مطلق ہو گا یا مقید۔ اگر وصی کو عام طور پر یعنی بصورت اطلاق وصی مقرر کیا گیا ہو، مثلاً کہا گیا ہو کہ میں نے فلاں شخص کو، یا تم کو اپنے ہر قسم کے ترکہ میں ہر قسم

۱۔ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ دیوبند ۴: ۲۴۷

۲۔ زید الابیانی، الأحكام الشرعية في الأحوال الشخصية، مطبوعہ مصر، ۱۹۲۰ء، ۲: ۴۱

کے تصرف کرنے کا وصی بنایا ہے یا بنادیا یا تم کو وصی قائم کیا یا تم میرے وصی ہو، ایسی صورت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ وصی ہر قسم کے تصرف کا مالک ہو گا۔

اگر وصی کے تصرفات کو مقید کر دیا گیا، مثلاً ترکے کے مخصوص مال میں تصرف کا حق دیا گیا یا ترکے کے مال کو کسی خاص مد میں مثلاً اجارے پر دینے یا تجارت میں لگانے کے لیے مخصوص کر دیا گیا تو اس حالت میں دیکھا جائے گا کہ وصی کا تقرر کرنے والا کون ہے خود موصی ہے یا حاکم عدالت۔

اگر عدالت نے یہ تقرر کیا ہے تو ایسی صورت میں جن مخصوص امور یا اموال میں اس کو تصرف کا حق دیا ہے، حنفی فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وصی ان مخصوص امور یا اموال ہی میں تصرف کا حق رکھے گا اور اسے اس سے تجاوز کرنے کا حق نہ ہو گا، لیکن اگر موصی نے مذکورہ طریقے پر وصی مقرر کیا ہے تو یہ وصی امام ابو حنیفہ کے نزدیک عام تصرفات کا مالک ہو گا اور مذکورہ امور میں سے کسی امر کے ساتھ مقید نہ ہو گا۔ امام محمد کے نزدیک اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو حاکم وقت کے وصی کا ہے یعنی اس کے تصرفات بھی مخصوص اور مقید ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد پر فقہا نے تفریق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ حاکم کا وصی مقرر کرنا ایسے شخص کا وصی مقرر کرنا ہے جس کی ولایت قضا خود مقید ہو سکتی ہے (یا ہوتی ہے) لہٰذا اس کے مقرر کیے ہوئے شخص کا تصرف بھی اسی درجے کا ہو گا۔ بخلاف وصی موصی کے، کیونکہ وہ موصی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح موصی اپنی حیات میں آزاد تھا اسی طرح اس کا وصی بھی ہر تصرف میں آزاد ہو گا۔ بالفاظ دیگر حاکم کا مقرر کردہ وصی وکیل کی مثل ہوتا ہے جبکہ موصی کا مقرر کردہ وصی اصیل کے درجے میں ہوتا ہے۔

وصی کے تقرر میں بعض قیود معتبر قرار دی گئی ہیں، مثلاً ایک شخص یہ وصیت کرے کہ فلاں شخص کے واپس آنے تک فلاں شخص میرا وصی رہے گا، تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس شخص کے آنے پر موجود وصی معزول ہو جائے گا اور آنے والا اس کی جگہ وصی قرار

پائے گا کیونکہ وصی بنانا یا تو وکیل بنانا ہے یا نائب مقرر کرنا اور یہ دونوں امر مطلق یا مقید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنے نابالغ بچے کے حق میں یہ کہے کہ بالغ ہونے کے بعد میرا وصی ہو گا اور اس وقت تک فلاں شخص وصی رہے گا تو بچے کے بالغ ہونے کے بعد اول شخص معزول ہو جائے گا اور یہ شرط معتبر ہو گی۔ *

وصی کی معزولی

تمام فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موصی کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ اپنے مقرر کردہ وصی کو کسی بھی وقت منصب وصایت سے معزول کر دے۔ البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وصی کو اس کی معزولی کا علم ہو۔

کیا عدالت کو وصی کو معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس سلسلے میں وصی کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا وہ جو عادل ہو اور وصیت کیے گئے تمام امور سر انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے وصی کے بارے میں فقہا کا کہنا ہے کہ عدالت اس کو بلا کسی شرعی عذر کے معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ البتہ اگر عدالت نے ایسے وصی کو معزول کر دیا تو اس کا یہ فعل ظلم کہلائے گا، لیکن کیا وصی معزول سمجھا جائے گا۔ اس بارے میں حنفی فقہا کے ہاں دو قول ہیں۔

دوسری قسم کا وصی وہ ہے جو عادل ہوتا ہے لیکن منصب وصایت کے امور مکمل طور پر سر انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ایسے وصی کو حاکم معزول نہیں کر سکتا، البتہ ان امور کی تکمیل کی خاطر اپنی طرف سے ایک اور شخص امین کا اضافہ کر دے گا جو اس کی کمی کو پورا کرے گا۔ لیکن وصی اگر وصیت کے امور انجام دینے سے بالکل ہی قاصر ہو تو پھر عدالت کو اس کے تبدیل کرنے کا اختیار ہو گا کیونکہ مصلحت اسی میں ہے۔

* البحر الرائق ۸: ۴۵۷

تیسری قسم کا وصی وہ ہے جو فاسق اور خائن ہو جس سے میت کے مال کے حق میں خطرہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں عدالت کے لیے ضروری ہے کہ اس کو معزول کر کے کسی عادل شخص کو اس کی جگہ وصی مقرر کر دے۔

منصبِ وصایت کا ختم ہونا

بعض صورتوں میں منصب وصایت ایک خاص مدت کے بعد خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے، جیسے اگر وصی ایک خاص مدت کے لیے متعین کیا گیا ہو تو اس مدت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی منصب وصایت ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وصی کو کسی خاص کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو اس کام کی تکمیل ہوتے ہی اس کا منصب ختم ہو جائے گا۔

تمام فقہا کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وصی کی وفات کی صورت میں یا اس سے متعلقہ ضروری شرائط میں سے کسی شرط کے فوت ہونے کی صورت میں منصب وصایت ختم ہو جاتا ہے۔ اگر وصی نے منصب وصایت قبول کرنے کے بعد خود ہی اپنے آپ کو معزول کر لیا تو شافعی اور حنبلی فقہا کے نزدیک اس کا منصب ختم ہو جائے گا جبکہ باقی فقہا کے نزدیک اس کے لیے ایسا کرنا بغیر کسی شرعی عذر کے درست نہیں ہو گا۔

وصی کا حق اجرت

وصی کی حیثیت وکیل کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح وکیل اپنی ذمہ داری کا معاوضہ لے سکتا ہے اسی طرح وصی بھی ذمہ داری ادا کرنے کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ اس بات پر فقہا میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر وصی ضرورت مند ہے تو پھر وہ منصب وصایت کے معاوضہ کا حق دار ہے۔ البتہ وصی ضرورت مند نہیں تو پھر اس کے معاوضہ لینے پر فقہا میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

حنفی فقہا کے نزدیک راجح رائے کے مطابق وصی کو کوئی اجرت نہیں دی جاتی، لیکن بطور استحسان وہ مالِ یتیم سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء۴: ٦] (جو محتاج ہو، وہ معروف طریق پر کھا سکتا ہے)۔ البتہ اگر قاضی کسی کو مروجہ اجرت پر وصی مقرر کرے تو جائز ہے۔

حنبلی فقہا کے نزدیک موصی اور حاکم و قاضی وکالت کی طرح وصی کا بھی معاوضہ مقرر کر سکتا ہے۔*

---

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۴٦ (بحوالہ الدر المختار ورد المحتار، كشاف القناع)

اہم مصادر و مراجع

- ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء
- ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرۃ، قاہرہ، ۱۹۶۸ء
- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی، السنن، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت،
- ابن نجیم، الأشباه والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸ء
- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق، السنن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت
- ابو زہرہ، أحکام الترکات والمواریث، دار الفکر العربی، قاہرہ
- احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، المسند، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۸ء
- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷ء
- ترمذی، محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی، السنن، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء
- تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء
- جرجانی، سید شریف، الشریفیۃ شرح السراجیۃ فی الفرائض، قاہرہ، ۱۹۴۴ء
- دراد کہ، د۔ یاسین احمد ابراہیم، المیراث فی الشریعۃ الإسلامیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء
- ربانی (مولانا) محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ، خیر پور میرس، ۱۹۹۱ء
- زحیلی، ڈاکٹر وہبہ، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، دار الفکر، دمشق، طبع دوم، ۱۹۸۵ء، ط ۸، ۲۰۰۹ء
- سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت
- سید شوکت علی، تقسیم میراث، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
- شفیع، مفتی محمد، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۹۹۹ء

- صابونی، محمد علی، المواريث في الشريعة الإسلامية على ضوء الكتاب والسنة، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۸۵ء
- طبرانی، ابو قاسم سلیمان بن احمد، المعجم الأوسط، دار الحرمین، قاہرہ، ۱۴۱۵ھ
- عبدالستار حامد، الدکتور، أحكام الوصية (سلسلة أحكام الأسرة في الفقه الإسلامي)، جامعہ بغداد، ۱۹۸۶ء
- عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی / لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء
- عطیہ، ابو الیقظان، حكم الميراث في الشريعة الإسلاميه، دار حنین؛ مکتبۃ الفلاح، اردن۔ الکویت، ۱۹۹۵ء
- عیسوی، عیسوی احمد، الوصية في الشريعة الإسلامية، دار التألیف، قاہرہ ۱۹۵۶ء
- فرضی، ابراہیم بن عبداللہ بن ابراہیم (م ۱۱۸۹ھ)، العذب الفائض شرح عمدة الفارض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۹ء
- مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- الموسوعة الفقهية، وزارت اوقاف و اسلامی امور، کویت ۱۹۸۲ء
- مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
- میاں اصغر حسین، مفید الوارثین، ادارہ اسلامیات، لاہور
- ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء
- نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، ۱۹۸۶ء
- ویمن ایڈ ٹرسٹ، پاکستان، وراثت کی تقسیم۔ کیا، کیوں اور کیسے؟، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء
- The Islamic Law of Inheritance, Hamid Khan, Oxford University Press Pakistan, 2007
- Farishta v Federation of Pakistan. (PLD 1980) Peshawar
- Allah Rakha v Federation of Pakistan, PLD 2000 Federal Shariat Court

نقشہ حصص ذوی الفروض مع عصبات

(مرتبہ: مولانا محمد خلیل اللہ ربانیؒ)

نمبر	وارث
۱	بیٹا
۲	بیٹی
۳	بیٹیاں (دو یا زیادہ)
۴	پوتا
۵	پوتی
۶	پوتیاں (دو یا زیادہ)
۷	شوہر
۸	بیوی (ایک یا زیادہ)
۹	باپ
۱۰	ماں
۱۱	دادا
۱۲	دادی نانی (ایک یا زیادہ)
۱۳	سگا بھائی
۱۴	سگی بہن
۱۵	سگی بہنیں (دو یا زیادہ)
۱۶	پدری بھائی
۱۷	پدری بہن
۱۸	پدری بہنیں (دو یا زیادہ)
۱۹	مادری بھائی یا بہن
۲۰	مادری بھائی بہنیں (دو یا زیادہ)
۲۱	سگا بھتیجا
۲۲	سوتیلا بھتیجا (پدری بھائی سے)
۲۳	سگا چچا
۲۴	سوتیلا چچا (باپ کا پدری بھائی)
۲۵	سگے چچا کا بیٹا
۲۶	سوتیلے چچا کا بیٹا

رموز

۱۔ ک: کل ترکہ کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۲۔ ن: نصف 1/2 ترکہ کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۳۔ ر: ربع 1/4 ترکہ کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۴۔ من: ثمن 1/8 ترکہ کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۵۔ ث: ثلث 1/3 مگر میاں یا بیوی کے ساتھ باقی کے 1/3 کا حق دار ہونا مراد ہے۔

۶۔ ثا: ثلثان 2/3 کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۷۔ ثا شرکا: ثلثان میں سب شریک ہیں۔

۸۔ س: سدس 1/6 کے حق دار ہونے کی علامت ہے۔

۹۔ م: محجوب یعنی کچھ نہیں ملے گا۔

۱۰۔ ب: باقی، بوجہ عصبیت باقی ماندہ کا حق دار ہونا۔

۱۱۔ کر: للذکر مثل حظ الانثیین کا مخفف ہے یعنی مرد کا عورت سے دوگنا حصہ

۱۲۔ س۔ب: سدس 1/6 اور باقی کا مستحق ہے۔

طریق دریافت

ذوی الفروض اور عصبات کو مذکورہ چھبیس 26 نمبروں میں تقسیم کیا گیا ہے اگر تنہا کسی ایک ہی نمبر کا حصہ معلوم کرنا ہو تو اسی کے نیچے متصل ہی دیکھیے۔

اور اگر کسی دو نمبروں کے حصص معلوم کرنا ہوں تو جس خانہ میں دونوں کی لائنیں ملی ہوئی ہیں اسی میں دیکھیے۔ ہر خانہ میں دو دو حرف ہیں۔ اوپر کا حرف اوپر کے نمبر کا حصہ اور نیچے کا حرف نیچے کے نمبر کا حصہ ظاہر کرتا ہے۔

مثلاً بیٹی اور بیوی دونوں کے حصے معلوم کرنا ہو تو ان کے مشترکہ خانہ (من ن) میں بیٹی کا حصہ ن (نصف) اور بیوی کا حصہ من (ثمن) ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر ورثا دو سے زیادہ ہوں تو ہر ایک کو پہلے دونوں سے ملا کر حصے معلوم کرتے جائیں۔

مشمولہ کتاب: میراث و وصیت کے شرعی ضوابط (ڈاکٹر عبدالحی ابڑو)
شریعہ اکیڈمی ● بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد